مکتبہ صحافت لاہور

یہ شرمناک داستانیں اس تاریک دور کا پتہ دیتی ہیں
جب عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی پر چند لوگ
محل کر دار عیش لے رہے تھے۔

بھٹو کے رنگیلے وزیر

عبدالستار چودھری

۳/۰۰

یہ شرمناک داستانیں اس تاریک دور کا پتہ دیتی ہیں جب عوام
کے گاڑھے پسینے کی کمائی پر چند لوگ کھل کر داد عیش دے رہے تھے

بھٹو کے رنگیلے وزیر

عبدالستار چودھری

مکتبہ صحافت لاہور

ناشر ـــــ محمد اکرام

بار ـــــ اوّل

تاریخ ـــــ جنوری ۴۸ء

قیمت ـــــ تین روپے

مکتبہ صحافت، ۲۰۰، ملتان روڈ لاہور

فون ـــــ ۴۱۶۰۷۸

مطبع: ایم منیر قاضی، ملی پرنٹرز، سرکلر روڈ، لاہور

کہتے ہیں بھٹو کی تین بیویاں تھیں، بعض کہتے ہیں چار تھیں، دو اصلی اور دو نقلی۔ حُسنہ شیخ ہو، یا خود نصرت بھٹو، جس کے متعلق انکشاف ہوا ہے کہ وہ بھٹو کے ساتھ شادی سے پہلے سندھ کے ایک وڈیرے کے ہاں بطور پی۔ اے ملازم تھی، بھٹو کو پسند آگئی تو شادی ہو گئی۔ نکاح کے دائرے سے باہر تو اس کی درجنوں یا شاید سینکڑوں "بیویاں" تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ روزانہ بیس بیس گھنٹے کام کرتا ہے، ضرور کرتا ہوگا۔ "فائل ورک" انسان کو تھکا دیا کرتا ہے، اس تھکن کو مٹانے کے لیے شراب ضروری تھی اور شراب کے ساتھ ایک رواج کے طور پر شباب۔

وہ عجیب دور تھا، اخبار گنگ تھے، ریڈیو اور ٹی۔ وی سے صرف "جانِ عالم" اور "پیا" کی شان میں قصیدے نشر ہوا کرتے۔ بھانڈوں، مسخروں اور مراثیوں کی بن آئی تھی، "اس بازار" کی چہل پہل دوبالا ہو چکی تھی۔ ملک پر "ثقافتیے" راج کر رہے تھے، ایکٹر اور فلمی رنڈیاں تو کسی سے پوچھے بغیر وزیرِ اعظم، گورنر ہاؤس اور چیف منسٹر ہاؤس میں چلی جاتی تھیں (جہاں ان کا شایانِ شان استقبال کیا جاتا تھا) شریف گو اتنا جانتے تھے کہ ایوانِ اقتدار کی سنگین اور مضبوط دیواریں پہلے سے بھی اونچی ہوتی جا رہی ہیں۔ ان دیواروں کے پیچھے درندے شریف زادیوں کو اغوا کرنے کے بعد ان کی عصمت سے کھیلا کرتے۔

اس حکومت میں کون احمق ہوگا جس نے شراب و شباب کا لطف نہ اٹھایا ہو۔ پیرزادہ سے لیکر مصطفےٰ جتوئی تک، اس حمام میں سبھی ننگے تھے۔ کبھی کبھار تفننِ طبع کے طور پر آپس میں بیویوں کے تبادلے بھی کرتے۔ بعض تو اس کھیل میں مہارتِ خصوصی رکھتے تھے۔ ان ماہرین میں حفیظ پیرزادہ، مصطفےٰ جتوئی، مصطفےٰ کھر، کوثر نیازی، ممتاز بھٹو اور جام صادق علی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ کہتے ہیں اپنے

ان کارناموں کا یہ لوگ بڑے فخریہ انداز میں ذکر کرتے اور اپنی نجی محفلوں میں ان کے مختلف لطیفے عورتوں اور لڑکیوں کے گرد گھومتے تھے۔

ان رنگین مزاج وزیروں نے خوبصورت عورتوں کو اپنی ملکیت بنانے کی کوشش کی، "وہ عورتوں" کے متعلق ایک قسم کی اشتراکیت میں یقین رکھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ ایک خوبصورت عورت پر سب کا اور خاص طور پر ان جیسے مالدار لوگوں کا بڑا حق ہے۔ اپنے دائرے میں انہوں نے اس نظریے کو عملی صورت دے رکھی تھی۔

یہ لوگ ہر ناجائز ذریعے سے دولت اکٹھی کرتے۔ اسمگلنگ سے، بلیک مارکیٹ سے، راشن ڈپوؤں سے، لائسنوں سے، ناجائز کرنسی کے کاروبار سے۔ بھٹو کے دور میں دولت کا ایک سیلاب تھا جو ان وزیروں کی کوٹھیوں میں بہا کرتا تھا۔

عیاشی، نفس پرستی، اوباشی میں بھٹو کا دورِ حکومت اپنی مثال آپ رہا، لوگ یحییٰ خان کی عیش پرستیوں کو بھول گئے، یحییٰ کے دور میں تو صرف گجرات کی ایک موٹی عورت اقلیم اختر رانی مشہور ہو گئی تھی، بعض لوگ مشہور مغنیہ" نورجہاں کا بھی ذکر کرتے تھے، لیکن بھٹو کے زمانے میں ایک نہیں سینکڑوں رانیاں پیدا ہو گئی تھیں، مثل مشہور ہے کہ لوگ اپنے بادشاہ کے مذہب کو اختیار کرتے ہیں۔ جب وقت کے بادشاہ سلامت بھٹو کا مزاج رنگین تھا تو پیپلز پارٹی کے لوگ، وزیر، وزرائے اعلیٰ، چیئرمین، جنرل سیکرٹری کیوں پیچھے رہتے۔ لوٹ مچ گئی، اس بات پر بازیاں بدنے لگیں کہ سب سے زیادہ کس وزیر نے کنواریوں کی عصمت لوٹی ہے، ایک وزیر نے اعلان کیا کہ وہ بھاری مالیت کا ایک سرکاری ٹھیکہ صرف اس شخص کو دے گا جو اس کی پرائیویٹ محفل میں شریف اور عزت دار گھرانوں سے کم از کم بارہ ایسی لڑکیاں فراہم کر دے جنہیں پہلے کسی مرد نے نہ چھوا ہو اور جن کی بکارت کی گواہی ان کے جسم کی ساخت دے۔

پیرزادہ بازی لے گیا

ویسے تو بھٹو حکومت کے اکثر وزیر عیاش، زانی اور شرابی تھے، ان میں "شیخ الاسلام" حضرت مولانا کوثر نیازی بھی شامل تھے اور بدصورت، مریض، زمیندار اور وزیر اعلیٰ صادق حسین قریشی بھی، لیکن ان وزیروں کا اگر آپس میں مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ عورتوں کے ساتھ عشرت کے

معاملے میں، غالباً پیرزادہ نے دیگر تمام وزیروں اور پیپلیوں کا ریکارڈ مات کر رکھا تھا اور ایسا اسے کرنا بھی چاہیئے تھا۔ دراز قد، دراز زلف، گورا چٹا، خوبصورت عبدالحفیظ پیرزادہ بھٹو حکومت کے سارے زمانے میں مرکزی وزیر رہا۔ وزارت کے آخری دور میں ان کے پاس مالیت اور خزانہ جیسے خشک محکمے رہ گئے تھے، لیکن اس سے پہلے ان کے پاس تعلیم و ثقافت جیسے "تر" محکمے بھی رہے اس زمانے میں انہوں نے خوبصورت استانیوں سے خوب خوب پینگیں بڑھائیں، ویسے بھی پیرزادہ کی قانونی بیوی سعدیہ کو ہمیشہ یہ شکایت رہی کہ وہ رات کو گھر میں کم ہی آتے تھے اور آتے تھے تو ان کے بدن سے "نامحرم عورتوں" کے سینٹوں اور خوشبوؤں کی مہک پھوٹی پڑتی تھی۔ پیرزادہ عشق کی گڈی کی ڈور بہت ڈھیلی رکھنے کے قائل تھے، بیچاری سعدیہ، یہ سب حالات دیکھنے اور خون کے گھونٹ پینے کے باوجود چپ تھی، وہ کر ہی کیا سکتی تھی، ویسے بھی وہ ایسے خاندان سے تعلق رکھتی تھی جس میں یہ سب کچھ چلتا تھا، بیگم پارہ کی بہن جو ٹھہری۔

وہ پیپلز پارٹی کا شباب تھے

پیپلز پارٹی کا عروج اور پیرزادہ کا شباب دونوں ہم عصر تھے، دراصل وہ خود پیپلز پارٹی کا شباب تھے بھٹو اپنی نجی محفلوں میں انہیں "اپنا سوہنا منڈا" کہا کرتے تھے، بھٹو کے بارے میں مشہور ہے کہ انہیں اپنے ماتحتوں پر غصہ بڑی جلدی آجایا کرتا تھا، کم از کم حفیظ پیرزادہ کے بارے میں ایسا کبھی نہیں ہوا، ان کی سیاہ اور دراز زلفوں کی نرم چھاؤں میں بھٹو کو ایک عجیب سکون محسوس ہوتا تھا۔ ان کے ذاتی تعلقات کی نوعیت ہی کچھ ایسی تھی کہ وہ بھٹو کے بہت قریب آگئے تھے، وہ بھٹو کے رازدار تھے اور بھٹو ان کے رازداں، ہوسکتا ہے وہ خوبصورت عورتوں کے متعلق آپس میں تازہ ترین معلومات کا تبادلہ بھی کرتے ہوں۔

سعدیہ کے ساتھ شادی کی داستان بھی سن لیجئے۔ (روزنامہ آغاز کراچی (۲۲ اکتوبر ۱۹۷۷ء) کا کہنا ہے کہ "حفیظ نے سب سے پہلے ایک جرمن خاتون سے شادی کی تھی، مگر جلد ہی طلاق ہوگئی۔ سعدیہ پیرزادیہ اِن کی دوسری بیوی تھی اور مسٹر پیرزادہ بھی ان کے دوسرے شوہر تھے، ۱۷ سال پہلے سعدیہ کی ہارون جعفر سے شادی ہوئی تھی، ہارون جعفر اور پیرزادہ بہترین دوست تھے،

حفیظ کا سعدیہ پر دل آگیا اور وہ اپنے دوست کی بیوی لے بھاگے، اس کے دو ہفتے بعد سعدیہ حاملہ ہوگئی اور جب واپس آئی تو جعفر نے اسے رکھنے سے انکار کر دیا، چنانچہ سعدیہ کو طلاق ہوئی اور وہ پیرزادہ کی بیوی بنیں۔ معلوم ہوا ہے کہ سعدیہ کو خوبصورت کاریں اور عمدہ زیورات کا بڑا شوق تھا۔ ایک بار وہ گودی پر گئیں تو انہیں ایک لگژری کار پسند آگئی اور وہ اس پر قبضہ کر کے اپنے گھر لے گئیں، جب کسٹم آفیسر نے ان سے کار واپس کرنے کی درخواست کی تو اسے اپنی نوکری سے ہاتھ دھونا پڑے ـــــــ"

یہ ہیں سعدیہ پیرزادہ، مصطفےٰ کھر کی سابق بیوی شہرزاد کی خالہ۔ ہندوستان کی بدنام ایکٹریس حال مقیم پاکستان بیگم پارہ کی چھوٹی بہن اور اندرا گاندھی کے لاڈلے بیٹے سنجے گاندھی کی داشتہ، رخسانہ سلطانہ کی عم زاد۔ سعدیہ کے خاندان کی لڑکیوں کو یہ شرف حاصل ہے کہ سیاسی لیڈروں سے منسوب اسکینڈلوں میں انہیں پورے برصغیر میں انوکھی شہرت حاصل رہی ہے۔ ان لڑکیوں کو، ہندوستان اور پاکستان کی اہم سرکاری اور سیاسی شخصیتوں کو زیرِ دام لانے کا فن خوب آتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جالندھر کے مردم خیز اور خوبصورت علاقے سے تعلق رکھنے والی یہ عورتیں، ہندوستان اور پاکستان کے سیاستدانوں کے درمیان ایک خفیہ پل کا کام بھی کرتی رہی ہیں۔ ان کے قیامت خیز حسن کا جواب نہیں، اپنے حسن اور شباب سے بھرپور فائدہ اٹھانا ان پر ختم ہے۔

لیکن پیرزادہ جیسا "جہاندرو عاشق" ایک عورت پر اکتفا کرنے والوں میں کب شمار ہو سکتا تھا، خصوصاً اقتدار کے سنہری زمانے میں۔ کراچی، لاہور اور اسلام آباد پیرزادہ کے عشق کی فیکٹری کے لیے خام مال کی منڈیاں بنے ہوئے تھے۔ پیرزادہ کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے ایک تیسری شادی بھی کی تھی، شاید پیپلز پارٹی کے وزیروں کی عام روایت برقرار رکھنے کے لیے بھی ایسا ضروری تھا، لیکن یہ مجبوری کی شادی تھی، حالات ہی کچھ ایسے تھے۔ پیرزادہ نے تیسری شادی ایک بڑے سرکاری افسر کی لڑکی ثمینہ سے کی تھی، اور پیرزادہ کو بندوق کی نالی پر یہ شادی اس لیے کرنا پڑی تھی کہ بقول کسے ثمینہ (سعدیہ کی طرح) شادی سے قبل ہی حاملہ ہو چکی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ثمینہ کی شادی نصرت بھٹو کے گھر پہ ہوئی تھی جس پر سعدیہ نے جا کر نصرت بھٹو کو برا بھلا کہا تھا اور

وہ بچوں کو لے کر اپنے بھائی کے گھر چلی گئیں اور پھر روٹھ کر لندن چلی گئی تھیں۔"

فلمی دنیا کی شباب سے بھرپور پریوں کے ساتھ تعلقات میں بھی پیرزادہ دیگر اکثر وزیروں کو مات کر گئے تھے، اس میدان میں ان کے واحد قریبی حریف مولانا کوثر نیازی تھے، لیکن کوثر نیازی اور پیرزادہ کے کھیل میں ایک باریک فرق تھا۔ کوثر نیازی نے فلمی چہروں سے عشق کیا اپنے اس سرکاری اثر یا دباؤ کی بدولت جو انہیں کبھی وزیرِ اطلاعات و نشریات ہونے کی حیثیت سے حاصل تھا، جبکہ پیرزادہ ویسے بھی فلمی دنیا کے چاند لگتے تھے۔ اگر وہ سیاست کی وادی میں وارد نہ ہوتے تو یقیناً وحید مراد سے بہتر ایکٹر ہوتے۔ ان کی دوستی، فلمی اداکاراؤں کے ساتھ بے تکلفی کی دوستی تھی۔ بعض خوبرو چہروں سے تو ان کی آشنائی اس وقت سے تھی جب نہ ابھی وہ وزارت میں آئے تھے اور نہ یہ چہرے ابھی، ریڈ لائٹ ایریا سے باہر آئے تھے۔ روزنامہ آغاز کراچی کے مطابق "پیرزادہ فلم اسٹار بابرہ شریف کے بھی عاشق ہوا کرتے تھے اور جب وہ فلمی دنیا میں نہیں آئی تھی تو اس کے کوٹھے پر رقص دیکھنے جایا کرتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ۱۹۷۲ء میں وزارت ملنے کے بعد جب وہ کراچی آئے تو اپنی فلیگ کار میں ہی اداکارہ بابرہ شریف سے ملنے ریڈ لائٹ ایریا میں چلے گئے تھے اور اس پر انہیں بھٹو کی ڈانٹ بھی کھانا پڑی تھی۔

پیرزادہ نہ صرف خود ایک آزاد خیال اور عیش پرست شخص تھے، ایسے کھیل "تماشوں"، رنگ برنگی محفلوں اور کلبوں کی بڑی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے، جہاں اس قسم کی عیش و عشرت کی داد دینے والے اور بھی بہت سارے لوگ ہوتے تھے۔ وہ عیاشی کے مناظر سے بہت محظوظ ہوتے تھے۔ بھٹو کے دورِ حکومت میں لاہور اور کراچی میں ایسے متعدد کلب کھل گئے تھے جہاں اس قسم کے مناظر سے محظوظ ہونے والوں کی تسکین کا سامان مہیا کیا جاتا تھا، ان کلبوں میں جنسی عیاشی کے جدید ترین سامان اور آلات مہیا کئے جاتے تھے، ان کلبوں کی سرپرستی کرنے والے لوگ وہ تھے جو ان دنوں اقتدار کے اعلیٰ ترین مناصب پر فائز تھے۔

اسی قسم کا ایک کلب کراچی میں قائم تھا جسے "کی کلب" (Key club) کہا جاتا تھا۔ اسے کی کلب اس لیے کہا جاتا تھا کہ وہاں اکٹھے ہونے والے مرد، عورتوں کا انتخاب

اپنی نظر سے نہیں، میز پہ چابیوں کے ایک ڈھیر سے کیا کرتے تھے۔ ہر چابی کلب کا کوئی نہ کوئی کمرہ کھولتی تھی اور اس کمرے میں ضرور کوئی حسینہ پہلے سے موجود ہوتی تھی، عیاشی کا یہ "امریکن سٹائل" بھٹو کے رنگین مزاج وزیروں کو بے حد پسند تھا

اخباری اطلاعات میں بین الاقوامی سمگلر حاجی ہارون، یعقوب عرف اوفنٹی والا نے ملک کی باأثر شخصیتوں کو خوش کرنے کے لیے مزارِ قائدِ اعظم کے قریب واقع ایک بنگلے کو عیاشی کا اڈہ بنا رکھا تھا جہاں اس کی ذاتی دعوت پر ہر شب ملک کی کوئی نہ کوئی شخصیت دادِ عیش دینے پہنچتی تھی، مذکورہ عشرت کدے کے مستقل مہمانوں میں حفیظ پیرزادہ، جام صادق علی، ولی محمد جاموٹ عبدالستار گبول، مولانا کوثر نیازی اور محمد خان جونیجو قابلِ ذکر ہیں۔ مذکورہ افراد کی آمد پر خصوصی انتظامات کیے جاتے تھے اور ان کی تفریح کے لیے غیر ملکی شراب مہیا کی جاتی تھی اور حسین دوشیزاؤں کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ یہ معززین تمام شب شراب کے جام لنڈھاتے، قانون نافذ کرنے والے ادارے اس کلب کی سرگرمیوں سے واقف تھے، لیکن افسرانِ بالا کی ہدایت پر چشم پوشی کیا کرتے تھے، دو سال قبل ایک نوجوان سب انسپکٹر قاضی محمد ارشد نے اپنے عملے کے ہمراہ مذکورہ کلب پر چھاپہ مارنے کی جرأت کی، جس کی پاداش میں محمد ارشد اور اس کے ساتھیوں کو نہ صرف برطرف کر دیا گیا بلکہ اس وقت کے ہوم سیکرٹری کی ہدایت پر جھوٹے مقدمات قائم کر کے انہیں جیل بھیج دیا گیا۔

دراصل پیرزادہ کی راتیں ہمیشہ ایسی ہی رنگین اور شوخ ہوا کرتی تھیں، جب تک وہ کسی خوبصورت اور نوجوان حسینہ کی باہوں کا سہارا نہ لیتے نیند کی دیوی ان سے روٹھی رہتی تھی۔ ان کے بستر کی سلوٹیں اس بات کی گواہی دیا کرتی تھیں کہ رات کو وہ تنہا نہیں تھے۔

وہ بلیو فلموں کے کاروبار میں بھی ملوث تھے۔ پیرزادہ فحاشی کی داد دینے میں بھی کسی سے کم نہ تھے، یہ بات اب کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ بھٹو حکومت کے زمانے میں غیر ملکی فحش فلموں، ننگے رسالوں اور بلیو تصویروں کا ایک سیلاب آیا ہوا تھا جو ہماری نئی نسل کے اخلاق اور کردار کی جڑیں کھوکھلا کر رہا تھا، لیکن یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہو گی کہ ان فحش فلموں اور ننگی تصویروں کو پاکستان میں لانے والے ہاتھ کون سے تھے، ان دنوں یہ کیفیت تھی کہ لاہور، کراچی، راولپنڈی، کوئٹہ، ملتان

اور حیدرآباد جیسے بڑے شہروں میں بیشتر ایسے سینماؤں میں جہاں انگریزی فلمیں دکھائی جاتی تھیں بلیو فلموں کا ایک عام رواج چل پڑا تھا، کوئی روک ٹوک نہ تھی، پولیس کے اعلیٰ افسران کو معلوم تھا کہ کن کن سینماؤں میں یہ فحش شو چلائے جا رہے تھے، لیکن انہیں خاموش رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ بعض اخبارات میں ان کے بارے میں چند شہریوں کی رپورٹ پر محض دکھاوے کی خاطر پولیس نے چھاپے بھی مارے، لیکن ہوا کیا؟ پولیس چند تماشائیوں کو جب وہ اس شو میں شریک ہوئے تھے پکڑ کر لے جاتی تھی، کبھی یہ معلوم نہ ہوا کہ سینما کے مالک کو سزا کیا ہوئی۔ بات یہ ہے کہ سزا ہوتی ہی نہ تھی، ہوتی بھی کیسے جب مرکزی وزیر اس "شاندار" کاروبار میں خود ملوث ہوتے تھے۔ نہ صرف سینماؤں پر فحش فلموں کے دکھانے کی اجازت دینے بلکہ فحش فلمیں اور ننگی تصویریں سمگل کرنے والے بھی ہمارے یہ "خوبصورت لیڈر" پیرزادہ، جتوئی وغیرہ ہوتے تھے، آم کے آم گٹھلیوں کے دام۔ خود بھی محظوظ ہوتے تھے، قوم کو بھی محظوظ کرتے تھے اور پیسہ بھی کماتے تھے، جہاں کسی سینما کے متعلق لوگوں کو پتہ چل جاتا تھا کہ وہاں ایسی بلیو فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔ لوگ ٹکٹ کے لیے ٹوٹ پڑتے تھے، اس وقت یہ بات فلم بین طبقے میں عام طور پر مشہور ہو گئی تھی کہ اگر کسی سینما پر رات کے آخری شو میں معمول سے زیادہ رش نظر آئے تو یہ یقین کر لینا چاہیئے کہ وہاں بلیو فلم ضرور دکھائی جا رہی ہے۔

(روزنامہ آغاز - ۳۱ ستمبر) کا تراشہ دیکھیے:-

"تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ سابقہ حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز (حفیظ پیرزادہ وغیرہ) نے مچھلی پکڑنے کی لانچیں حاصل کیں اور اس سلسلے میں ۵، فیصد کوٹہ سمگلوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔ انہوں نے لانچوں سے مچھلی پکڑنے کی بجائے اسمگلنگ کا کاروبار شروع کر دیا۔ یہ لانچیں مچھلی پکڑنے کے لیے سمندر میں خالی جاتیں لیکن غیر ملکی سامان سے بھری ہوئی لوٹتی تھیں۔ ان لانچوں سے دو کروڑ روپے مالیت کی کاریں اعلیٰ قسم کی شراب اور بلیو فلمیں اسمگل کی گئیں۔ یہ کاریں ڈیوٹی ادا کئے بغیر چلتی رہیں اور بلیو فلمیں وی سی آر پر دکھائی جانے لگیں۔ جب یہ غیر قانونی کاروبار بہت زیادہ بڑھ گیا تو کسٹم اور پولیس نے وی سی آر اور بلیو فلمیں درآمد کرنے کے لیے گھروں پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے اور بہت سی بلیو فلمیں اور وی سی آر برآمد کر لیے گئے، لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر تک نہ چل سکا اور سابق وزیر اعظم

ان تلاشیوں کو روک دیا"۔

ذوالفقار علی بھٹو نے ایک حکم کے ذریعے
دروغ بر گردنِ راوی، یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایک مرتبہ حفیظ پیرزادہ اور لاہور کی مشہور گائیکہ نورجہاں عرف ملکہ ترنم کے درمیان بھی رومانس کا چکر چلنے لگا تھا، لیکن قسمت کو کچھ اور منظور تھا، اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے، سعدیہ کو اس کی خبر ہو گئی اور یہ سلسلہ بند کرا دیا گیا۔ واقعہ کچھ یوں بتایا گیا ہے کہ نورجہاں کے ذمے دو لاکھ روپے کی خطیر رقم بطور انکم ٹیکس واجب الادا تھی جب انکم ٹیکس والوں نے کچھ پریشان کیا تو موصوفہ نے سابق وزیرِاعظم کی حقیقی خاتونِ اول حسنہ شیخ تک رسائی حاصل کی اور پیرزادہ کے لیے جو ان دنوں وزیرِ خزانہ تھے اور اس رقم کو معاف کرنے کا اختیار رکھتے تھے، سفارش کروائی۔ ملکہ ترنم جب پیرزادہ کے دربار میں پہنچی تو رقم کی معافی کی درخواست کے ساتھ ساتھ پیپلز پارٹی کے اس سوہنے منڈے پر ڈورے ڈالنے کی کوشش بھی کی اور پیرزادہ کو اپنی بیٹی کی شادی میں شریک ہونے کی دعوت دے ڈالی۔ اس کے بعد دونوں کے درمیان ربط ضبط میں اضافہ ہوا اور کئی دنوں تک مادام نورجہاں اور پیرزادہ کے مابین چوری چھپے خاص دوستوں کے ہاں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دن ان ملاقاتوں کی مخبری کسی نے سعدیہ بیگم پیرزادہ سے کر دی۔ خبر ایسی تھی کہ انہیں بہت پریشانی ہوئی کیونکہ انہیں نورجہاں کی اس پرانی مہارت کا علم تھا کہ وہ دوسری عورتوں کے مردوں کو پھانس کر بالآخر شادی پر مجبور کر دیتی ہیں۔ انہوں نے تنگ آ کر نورجہاں اور پیرزادہ کے نوخیز معاشقے کی اطلاع سابق وزیرِاعظم بھٹو کو دی اور ان سے اس مسئلہ میں مداخلت کی بھی درخواست کی، کہتے ہیں کہ بھٹو نے اس درخواست پر زیادہ سنجیدگی سے توجہ نہ دی اور ٹال مٹول سے کام لیا۔ اس پر سعدیہ نے نصرت بھٹو کی کوٹھی پر جا کر فریاد کی، تب جا کر یہ معاملہ رفع دفع ہوا، نصرت بھٹو نے پیرزادہ کو اس سلسلہ میں ڈانٹ بھی پلائی تھی۔

وزارتی ہیڈ کوارٹر، اسلام ہونے کے باوجود پیرزادہ اپنا کافی وقت کراچی گزارتے تھے، وجہ یہ تھی کہ کراچی ایک بین الاقوامی اور ترقی یافتہ شہر ہے۔ مغربی تہذیب کا رنگ اس شہر پر کافی چڑھ چکا ہے۔ نائٹ کلبوں اور عیاشی کے دیگر ساز و سامان کی جو کثرت، سہولت اور آسانی کراچی شہر میں ہے وہ پاکستان کے کسی اور شہر میں نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زیادہ تر کراچی میں رہتے تھے۔

پیرزادہ کے ایجنٹ اس کے لیے عورتیں مہیا کرتے تھے۔ ان ایجنٹوں کا یہ کام ہوتا تھا کہ وہ نہ صرف پیرزادہ کے لیے نئے چہرے ڈھونڈتے تھے بلکہ ان خوبصورت جوانیوں کے ساتھ بھی گہرا اور باقاعدہ رابطہ استوار کیے رہتے تھے جن کے ساتھ پیرزادہ کے "مراسم" دیر سے چلے آتے تھے۔ اور وفاداری بشرطِ استواری کے اصول کے مطابق وہ ان مراسم کو برقرار رکھنا چاہتے تھے، دونوں کو ہی اس میں فائدہ تھا۔ یہ دلّال بھی کوئی معمولی لوگ نہیں ہوتے تھے۔ ان میں اعلیٰ افسروں سے لے کر صنعت کار، ٹھیکیدار، اسمگلر سب شامل ہوتے تھے۔ آپ کو معلوم ہے کہ دلالی اور سمگلنگ ایک پیشہ ہے۔ بڑے لوگوں کا پیشہ ہے، ایسا پیشہ ہے جس میں بعض روایات کے مطابق پنجاب کے سابق وزیراعلیٰ بھی ملوّث رہے ہیں۔ پیرزادہ تو خیر یہ پیشہ محض بلیو فلمیں درآمد کرنے کے لیے اختیار کرنے پر مجبور تھے، اگر ہمارا معاشرہ کچھ "ترقی یافتہ" ہوتا تو شاید درآمدی پالیسی کی فری لسٹ میں بلیو فلمیں بھی شامل کر دی جائیں۔ بھٹو اور پیرزادہ سے کچھ بعید نہ تھا۔

خیر ایجنٹوں اور دلالوں کی بات ہو رہی تھی، کراچی میں عورتوں کی دلالی کا کاروبار بہت ترقی یافتہ ہے۔ پیپلز پارٹی کے بعض ممتاز ارکان پیرزادہ اور ممتاز بھٹو کے لیے دلالی کا خوشگوار فریضہ انجام دیا کرتے تھے۔ کراچی کے ایک مقامی روزنامہ کے مطابق عوام کی پارٹی کے عوامی نمائندے عرفِ عام میں "پیپلز پارٹی کے مقامی رہنما سلیمان بروہی جو بھٹو حکومت سے قبل سلیمان ذکریا کے نام سے چاکیواڑہ اور ڈرگ روڈ تھانے کے معروف ہسٹری شیٹر تھے، سابق وفاقی وزیرِ تعلیم عبدالحفیظ پیرزادہ کو عیاشی کے لیے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچاتے تھے، باوثوق ذرائع کے مطابق وہ حفیظ پیرزادہ کو شفیع جاموٹ کے بنگلے پر مشہور فلمی ہیروئین بابرہ شریف اور اس کی بہن فاخرہ شریف کو پہنچایا کرتے تھے، جہاں مسٹر پیرزادہ اکثر راتیں ان کے ساتھ ہی گزارتے تھے۔ اس خدمت کے عوض پیرزادہ نے سلیمان بروہی کو نیشنل سیمنٹ کو خام مال سپلائی کرنے کا ٹھیکہ دلایا تھا جہاں سے وہ ہر ہفتے ۴۰ سے ۵۰ ہزار روپے کا بل وصول کرتے تھے۔ واضح رہے کہ سلیمان بروہی ۱۹۷۰ء سے قبل ایک ٹوٹے ہوئے مکان میں رہتا تھا جبکہ اب وہ ایک عالیشان بنگلے کا مالک ہے جس میں لفٹ بھی لگائی گئی ہے، سلیمان بروہی بھٹو صاحب کے ہر جلوس میں ان کے ٹرک کے بونٹ پر بیٹھا کرتے تھے۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ چرس

کی سمگلنگ میں شفیع جاموٹ کے پارٹنر بھی رہے ہیں۔"

پیپلز پارٹی کا دور جشنوں، میلوں اور محفلوں کا دور تھا۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا تھا کہ عوام اپنے دل سے مشرقی پاکستان کے المیے کا غم نکال دیں، ویسے بھی پیپلز پارٹی کے مطابق ہر قسم کے فکر والم سے آزاد رہنا، شراب وشباب میں غرق رہنا ہی حقیقی زندگی تھا۔ کم از کم بھٹو اور اس کے حواریوں کی زندگی کا نمونہ تو یہی تھا، وہ جشن منانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے، ایسے موقعوں پر ناؤنوش کی باقاعدہ محفلیں منعقد کی جاتی تھیں، گانے والیاں منگوائی جاتی تھیں، ناچنے والیوں کے جسم کے مختلف زاویوں، ان کے پاؤں میں بندھے گھنگھروؤں اور ان کی تھرکتی چھاتیوں کے منظر سے آنکھیں سرشار کی جاتی تھیں، شرابیں پی جاتی تھیں۔ ایک ایسی ہی محفل کی مختصر تصویر گھر کے بھیدی، پیپلز پارٹی کے سابق ایم این اے جناب ڈاکٹر محمود عباس بخاری نے بھی کھینچی تھی:۔

"تربیلا ڈیم کی خوشی میں حفیظ پیرزادہ صاحب اور صاحبزادہ فاروق علی خان نے قومی اسمبلی کے ارکان کی ضیافت کی۔ صرف پیرزادہ کا گروپ مدعو تھا۔ میں نے انسان کی پستی، ذلت، بے ضمیری اور لالچ کا ایسا منظر پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ یہیں مجھے یہ سمجھ بھی آئی کہ تربیلا ڈیم اتنا بابرکت کیوں ثابت ہوا۔ رات کو سینما شو خصوصی طور پر دکھایا گیا۔ فلم کی تفصیل میں نہ جاؤں گا، مگر ایک رکن قومی اسمبلی بہک گئے اور شراب کے زیر اثر وہ دوغزلے سہ غزلے اس آن شان سے سنائے گئے کہ ڈاکٹری کے پیشے سے منسلک ہونے کے باوجود اناٹومی اور فزیالوجی کی اتنی خوبصورت تفسیر کبھی نہ سنی تھی، اس "عارفانہ" کلام کو پری چہرہ پیرزادہ نے ان صاحب کی آغوش میں بیٹھ کر سنا۔ محفل میں ثریا ملتانیکر کو بھی بطور خاص بلایا گیا تھا ــــ"

(نوائے وقت ۲۹ راگست)

رنگ رلیاں منانے والے بھٹو وزیروں میں سے کوثر نیازی عرف "مولانا وہسکی" نے بھی خوب شہرت پائی۔ بُرے کرتوتوں میں، کوثر نیازی کا وجود علمائے دین کے نام پر سیاہ دھبے کی حیثیت رکھتا ہے۔ بھٹو نے بھی شروع شروع میں انہیں ان کے من پسند محکمے سے نوازا تھا۔ جب وہ وزیر اطلاعات ونشریات تھے تو ان کی پانچوں گھی میں اور سر کسی اداکارہ کی ساڑھی کے پلو میں ہوا کرتا تھا۔ اپنی اس پوزیشن سے انہوں نے بہت فائدہ اٹھایا۔ کہتے ہیں کہ ان کا تمام خوبصورت اداکاروں اور

ٹی۔ وی آرٹسٹوں سے یارانہ تھا۔ انہیں اس وقت سب سے زیادہ خوشی ہوتی جب کوئی آرٹسٹ لڑکی اپنے خوبصورت ہاتھوں سے، انہیں ان کی من پسند شراب وسکی کا پیگ پیش کرتی تھی۔ ان کے محکمے میں ملازم بعض خواتین خود کو پیش کرنے کے علاوہ ان کیلئے دیگر ذرائع سے خوبصورت چہرے تلاش کرنے کا کام بھی کرتی تھیں۔

ایک اخبار کا تراشہ دیکھئے :۔

"مولوی کوثر نیازی جو پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت میں بدعنوانیوں اور اپنے بے شمار جنسی سیکنڈلوں کے سلسلے میں کافی شہرت پا چکے ہیں، معلوم ہوا ہے مولوی وسکی بعض خواتین کے سلسلے میں اپنے سٹاف کے اراکین سے بھی مدد لیتے رہے، جس کے نتیجہ میں ان کے سٹاف کے بعض منظورِ نظر لوگ بھی مولوی کی استعمال کی ہوئی ان خواتین سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ مذہبی امور کی وزارت نے دو ماہناموں "اوقاف" اور "ہموطن" کا اجرا اسلامی امور کی ترویج اور اقلیتی فرقہ کی ترجمانی کے لیے کیا تھا، لیکن مذکورہ دونوں جریدوں میں جہاں لاکھوں روپے کے فنڈز ضائع کئے گئے وہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان دونوں جریدوں میں کوئی بھی قابلِ ذکر صحافی موجود نہیں۔ دونوں جریدوں کے سٹاف میں زیادہ تر خواتین شامل ہیں، جو مولوی کی ذاتی پسند پر تعینات کی گئی تھیں، راحت ظفر جو صحافت کی ابجد سے بھی واقف نہیں وہ ان جریدوں کے نگران طباعت تھے اور مولوی کی ان منظور نظر خواتین کو اکثر و بیشتر اپنے مکان پر شب بسری پر مجبور کرتے تھے۔ انتہائی باوثوق ذرائع کے مطابق ایک اسسٹنٹ ایڈیٹر اور دو سب ایڈیٹروں کو ایک بار راحت ظفر نے دھمکی دی کہ وہ لکھنا پڑھنا تو سرے سے جانتی نہیں ہیں، اس لیے ان کے بارے میں بیشتر حلقوں سے شکایات آ رہی ہیں اس لیے اب مولوی کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ انہیں برخاست کر دیا جائے، تاہم اگر وہ اس کی خواہش کے مطابق اس کے ساتھ جنسی تعلقات استوار کر لیں تو وہ مولوی سے سفارش کرے گا کہ انہیں نوکری سے نہ نکالا جائے۔ معلوم ہوا ہے کہ ان میں سے ایک لڑکی کو حال ہی میں سترہویں گریڈ سے سولہویں گریڈ میں تنزل کرایا گیا ہے۔۔۔۔ پنڈی پیپلز پارٹی کی بعض خواتین کارکن اور مولوی وسکی سے خاص تعلقات

کے سلسلے میں مذکورہ خواتین پر نوازشات کی بارش ہوتی رہی اور یہ سب معاملات مولوی صاحب اپنے سوہنے منڈے راحت ظفر کی معرفت طے کراتے تھے۔ راحت ظفر پرائیویٹ سیکرٹری، مولوی کوثر نیازی کا بہت ہی منظورِ نظر تھا، اوقاف اور ہوطن کے لیے اس نے آٹھ لڑکیاں بھرتی کیں اور ان میں سے ایک لڑکی کو ایک دن اپنے گھر لے گیا جہاں مولوی صاحب کے ایک سیکرٹری اشرف ندیم جو آجکل سی آر میں فسٹ سیکرٹری ہیں، موجود تھے۔ دونوں نے مل کر اس لڑکی سے دست درازی کی۔ عزت لٹ جانے پر اس نے احتجاج کیا تو اسے ڈرا دھمکا کر خاموش کرا دیا گیا۔ الیکشن کے فنڈز بھی مولوی کے اسی سوہنے منڈے کے قبضہ میں رہتے تھے اور مذکورہ شخص ان سے بھی لڑکیوں کی سودا بازی کرتا تھا، الیکشن کے دنوں گوجرانوالہ کے قریب ایک ریسٹ ہاؤس اس سوہنے منڈے کے لیے بُک تھا۔

گوجرانوالہ کے ایک تاجر اور لاہور کے ایک مشہور سمگلر اختر بٹ کے ذریعے یہاں لڑکیاں لاکر رنگ رلیاں منائی جاتی تھیں۔ اختر بٹ کے خلاف ایف آئی اے نے کئی مقدمات درج کر رکھے ہیں اور آج کل وہ ابوظہبی بھاگ گیا ہے، راحت ظفر کی سفارش پر پیپلز پارٹی کی مقامی خاتون کارکن کو اسلام آباد میں پلاٹ بھی دیا گیا کیونکہ راحت ظفر موصوفہ کے گھر میں رہتے تھے اور رنگ رلیاں مناتے تھے۔ رنگ رلیاں منانے کا اڈہ موصوفہ کا گھر تھا اس لیے مذہبی امور کی گاڑیاں اکثر موصوفہ کے قبضہ میں رہتی تھیں۔

(روزنامہ سیاست لاہور ۲۹ راگست ۱۹۷۷ء)

مولوی کوثر نیازی کے چوروں اور سمگلروں کے ساتھ تعلقات اب کوئی راز نہیں رہے بحقیقت تو یہ ہے کہ پیپلز پارٹی کا ہر وزیر ایک چور تھا، اگر ان کے تعلقات چوروں اور سمگلروں سے نہ ہوتے تو کیا کسی شریف آدمی سے ہوتے۔ یہ سمگلر ان وزیروں کے لیے کالے دھن کی بدولت ہر قسم کی عشرت کا سامان فراہم کیا کرتے تھے۔ ملک میں عصمت فروشی، بدکاری اور جنسی آوارگی کے رواج میں اضافہ کا ایک اہم سبب یہی سمگلر تھے، جن کی سرکاری سرپرستی پیپلز پارٹی کے لیڈر اور خصوصاً کوثر نیازی جیسے شراب و شباب کے متوالے وزیر کیا کرتے تھے۔

"آزاد کشمیر کے ایک مشہور سمگلر چوہدری محمد یوسف کے کوثر نیازی کے ساتھ خصوصی تعلقات تھے۔ دراصل دونوں ایک ہی دھندے میں پارٹنر شپ کیا کرتے تھے۔ یہ چوہدری محمد یوسف، مولوی کے لیے اسلام آباد، راولپنڈی اور آزاد کشمیر سے خوبصورت لڑکیاں فراہم کیا کرتا تھا۔ یوسف سمگلر مولوی صاحب کا یارِ غار ہے۔ اس کے ساتھ مل کر مولوی صاحب نے بہت سی وارداتیں کی ہیں۔ یوسف سمگلر مولوی صاحب کی مہربانی سے کروڑ پتی بن چکا ہے۔"

(روزنامہ سیاست لاہور۔ ۲۸ر اگست)

کہتے ہیں کہ اسلام آباد میں واقع، مولوی کوثر نیازی کی محل نما کوٹھی کی تعمیر کا تمام خرچ اسی سمگلر نے برداشت کیا تھا۔ کوثر نیازی اس شخص پر بہت زیادہ مہربان تھے اور وہ بھی کوثر نیازی کی خدمت میں اپنی طرف سے نت نئے نذرانے پیش کرنے میں کبھی کوتاہی کا مرتکب نہیں ہوا تھا۔

کوثر نیازی نے اپنے دورِ وزارت میں جہاں دیگر متعدد اخلاقی اور مالی بے ضابطگیوں کا ارتکاب کیا، وہاں انہوں نے سرکاری روپیہ بے دریغ انداز میں اپنی عیاشیوں اور جنسی بھوک کی تسکین کے لیے صرف کیا۔

وہ اپنی داشتاؤں پر سرکاری پیسہ خرچ کرتے تھے

روزنامہ سیاست نے ۲۵ر اگست کے شمارے میں یہ کہانی شائع کی تھی:۔

"مالی دھاندلیوں کے علاوہ پاکستان پیپلز پارٹی کے بعض وزراء کے جنسی سکینڈل بھی سامنے آرہے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ سابق وزیر حج اوقاف، مذہبی امور اور اقلیتی امور مولانا کوثر نیازی کے بعض عورتوں سے ناجائز تعلقات تھے، مولانا کوثر نیازی کی وجہ سے ان عورتوں پر سرکاری خزانے سے بھاری رقومات خرچ کی جاتی تھیں اور سرکاری خزانے سے شراب کے بل ادا کئے جاتے تھے۔ ان واقعات کی اطلاع جب سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو ملی تو انہوں نے ۱۹۷۶ء میں ایف آئی اے کو مولانا کوثر نیازی کے خلاف تحقیقات کا حکم دیا۔ فیڈرل انوسٹی گیشن ایجنسی نے مولانا کوثر نیازی کے خلاف تحقیقات کے دوران اس کی کوٹھی واقع ایوب چوک اسلام آباد اور اس میں ہونے والی عیاشی کی دعوتوں کے بارے میں ایک مفصل خفیہ رپورٹ تیار کی۔ اس رپورٹ میں مولانا کوثر نیازی

کی چند داشتاؤں کے بیانات بھی قلمبند کیے گئے ۔ جس میں انہوں نے مولانا کوثر نیازی پر الزام لگایا کہ وہ ناجائز دباؤ کے تحت ان سے " زیادتی " کرتے رہے ہیں ۔ بیان دینے والی تین عورتوں کا تعلق اعلیٰ خاندانوں سے بتایا گیا ہے ۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ۱۹۷۴ء میں مولانا کوثر نیازی وزیر اطلاعات تھے تو قومی اسمبلی کے اجلاس میں پیپلز پارٹی کے ہی ایک ممبر محمد اسلم مرحوم نے ایک سوال کیا جس میں پوچھا گیا تھا کہ کیا مسز صفیہ کے نام کی کوئی عورت وزارتِ اطلاعات میں ملازم ہے ؟ مرحوم ایم این اے کے اس سوال کے فوراً بعد اسمبلی کا اجلاس مختصر وقفے کے لیے ملتوی ہو گیا اور اسی دوران مولانا کوثر نیازی نے جو اس وقت وزیرِ اطلاعات تھے، منت سماجت کر کے محمد اسلم ایم این اے کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ اس سوال سے دستبردار ہو جائیں گے ۔

مسز صفیہ سعید کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ مولانا کوثر نیازی کی وجہ سے جو اس وقت وزیرِ اطلاعات تھے، ایسے لیٹر پیڈ اور وزٹنگ کارڈ استعمال کرتی تھی جس میں ان کے نام کے ساتھ وزارت اطلاعات چھپا ہوا تھا ۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ صفیہ سعید پسرور کینٹ میں پیپلز پارٹی شعبہ خواتین کی صدر تھی ۔ ۱۹۷۰ء میں عام انتخابات میں جب مولانا پسرور سے قومی اسمبلی کا انتخاب لڑ رہے تھے، ان دونوں کی ملاقات ہوئی ، الیکشن کے دوران شانہ بشانہ کام کرتے رہے اور ان کے تعلقات بڑھتے گئے، بالآخر انتہا کو پہنچ گئے ۔ انتخابات میں پیپلز پارٹی کی کامیابی کے بعد مولانا کوثر نیازی کو وزیر اطلاعات بنایا گیا تو انہوں نے خوش ہو کر صفیہ کو اپنی وزارت کا نام استعمال کرنے کی اجازت دے دی ۔

" صفیہ سعید کی نجی زندگی کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ ان کا شوہر دوبئی میں تھا، وہ دو بیٹیوں کی ماں ہے اور اب سٹلائیٹ ٹاؤن راولپنڈی میں رہائش پذیر ہے ۔ صفیہ سعید اور کوثر نیازی کے تعلقات اس قدر بڑھ گئے کہ صفیہ کے ناز نخروں پر خرچ ہونے والی رقم مولانا کے حکم پر قومی خزانے سے ادا کی جاتی تھی ۔ مسز صفیہ کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ ان کے تعلقات فیصل آباد کے ایک سابق ایم این اے سے بھی تھے ۔ "

کوثر نیازی کے بارے میں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ سعودی عرب کی پاک سرزمین میں بھی اپنی ناجائز کرتوتوں سے باز نہیں آتے تھے۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ ہر سال حج وفد کی سربراہی کرتے تھے، دراصل وہ وہاں زیادہ تفریح اور سیر سپاٹے کے لیے جاتے تھے۔

"جب مولوی صاحب حاجیوں کے وفد کے سلسلہ میں سعودی عرب جاتے تو نرسوں کے بھیس میں وہ پہلے ہی اپنی داشتائیں مکہ شریف بھیج دیتے۔ یہ نرسیں مکہ شریف میں پاکستان ہاؤس میں قیام کرتی تھیں اور اس پاکستانی ہاؤس میں مولانا دادِ عیش دیتے تھے۔ شراب اور، لڑکیوں کا دور چلتا تھا۔

سعودی عرب کی حکومت نے حکومتِ پاکستان سے احتجاج کیا کہ مولوی صاحب کو حج وفد کے ساتھ نہ بھیجا جائے۔ وہ یہاں آکر عورت اور شراب میں مدہوش ہوتا ہے۔ سعودی وزارتِ خارجہ نے پاکستان کے حکام کو جب اس خرافات سے مطلع کیا تو سابق وزیرِاعظم نے سوائے معمولی سرزنش کے کوثر نیازی کو کچھ نہیں کہا۔ بعد میں حکومت نے سی ایم ایچ سے نرسیں بھجوانی شروع کر دیں اور براہِ راست نرسیں بھیجنے کا پلان منسوخ کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود مولوی صاحب باز نہ آئے اور اپنی داشتاؤں کو حج ویلفیئر فنڈ سے غریب عورتیں ظاہر کر کے حج کے بہانے بھجوا دیا کرتے اس طرح ان کا کاروبار دادِ عیش جاری رہا۔"

(روزنامہ سیاست لاہور، ۲۳ اگست ۱۹۷۷ء)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کوثر نیازی عورت، شباب اور شراب کا اس قدر دلدادہ تھا کہ ایسے مواقع پر بھی باز نہیں آتا تھا جنہیں مذہبی تقدس سے خصوصیت ہوتی تھی۔ بھٹو حکومت بعض اوقات عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنے اور ان کے مذہبی جذبات سے فائدہ اٹھانے کے لیے سیرت کانفرنس، قرآن کانفرنس وغیرہ قسم کی تقریبات بھی منعقد کیا کرتی تھی۔ ایسی کانفرنسوں سے دو مقاصد حل ہوتے تھے، اندرونِ ملک عوام کو بے وقوف بنایا جاتا تھا، بیرونِ ملک سعودی عرب اور لیبیا جیسے اسلام پسند اور امیر عرب ملکوں سے دولت اینٹھی جاتی تھی۔ یہ دولت جو بظاہر ایسی تقریبات کے انعقاد کے سلسلے میں امداد کے طور پر حاصل کی جاتی تھی۔ بھٹو حکومت کے وزیروں کی

عیاشیوں پر صرف ہو جاتی تھی۔

"بین الاقوامی سیرت کانفرنس کا آخری اجلاس ہوا، یہ غالباً ۱۲، ۱۳ / مارچ کی رات کا ذکر ہے کہ مولوی نے اپنے کمرے میں کراچی کی تمام ماڈل گرلز اور سوسائٹی گرلز کو جمع کیا اور رات بھر جنس و ہوس کاری کا کھیل جاری رہا۔ اس کھیل میں کراچی پیپلز پارٹی کے وہ رہنما بھی تھے جو مولوی کے دست راست ہیں۔ ان میں حنیف سولجر بھی پیش پیش تھا۔ اس نے اس کھیل کا بندوبست کیا تھا۔ اور اس میلے میں اس کو اسی رات اقلیتی امور کا مشیر مقرر کر دیا تھا کیونکہ اس رات اقلیتی گروہ کی خوبصورت لڑکیاں زیادہ پیش کی گئی تھیں۔ اسلامی ممالک کے مندوبین نے یہ جنس کاری اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ مولانا شراب پی کر جس طرح ہوٹل انٹر کان کی لابی اور خود کار لفٹ سے اترے تھے سب کو ان کی حالت پر ترس آتا تھا۔۔۔۔۔ حاجی کیمپ کراچی میں ڈنر اور طائف جو امام کعبہ کے اعزاز میں دیا۔ اس میں مولانا کی تمام داشتاؤں کو مدعو کر لیا گیا۔ جب امام کعبہ نے یہ خرافات دیکھیں تو وہ ڈنر سے واپس بطور احتجاج آ گئے۔"

(روزنامہ سیاست، ۲۲ / اگست)

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کراچی میں ایک شخص "خان بابا" نامی مشہور سمگلر ہے۔ یہ شخص ستر سال کے پیٹے میں ہونے کے باوجود، سمگلنگ کے علاوہ لڑکیوں کی سپلائی کا کاروبار بھی کرتا رہا۔ کوثر نیازی سے اس شخص کے بڑے دوستانہ تعلقات تھے۔ دراصل ہر وہ شخص کوثر نیازی کا دوست ہوتا تھا جو اس کی خدمت میں لڑکیاں پیش کر سکتا تھا۔ اس شخص نے کوثر نیازی کی سفارش سے کراچی میں ایک بہترین پلاٹ بھی حاصل کیا تھا۔ کراچی ہی میں مشہور تجارتی مرکز "فیصل مارکیٹ" بھی اسی شخص کی ملکیت ہے۔ آجکل یہ شخص ارب پتی بن چکا ہے۔ اس نے یہ دولت جس طرح کمائی وہ تو ایک الگ داستان ہے۔ اس دولت میں اضافہ میں مدد دینے والوں میں پیپلز پارٹی کے وزیر بھی تھے، جنہیں لڑکیاں پیش کرنے کے بعد یہ شخص ملک میں دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹنے میں آزاد ہوتا تھا۔ کوثر نیازی کے سامنے کراچی کا خوبصورت مال پیش کرنے والے ایک یہ خان بابا بھی تھے جن کا سمگلنگ کا مال ہر سال حاجیوں کے ہمراہ، کوثر

نیازی کی سرپرستی میں آنا جاتا رہتا تھا۔

مولانا نہ صرف یہ کہ شراب پیتے تھے بلکہ پلاتے بھی تھے۔ سرکاری محکموں میں صرف وزارتِ خارجہ یا محکمہ سیاحت وغیرہ ایسے محکمے ہیں جہاں بھٹو کے دور میں شراب سرکاری سطح پر درآمد کی جاتی تھی۔ مولانا نے یہ اہتمام کیا کہ مذہبی امور کی وزارت کا انچارج وزیر ہونے کے باوجود، ایک سال میں ۷۰ ہزار روپے کی شراب خریدی۔ جب مسٹر بھٹو کو مولانا کی اس حرکت کا علم ہوا تو انہوں نے انہیں سرزنش کی کہ لوگ کیا کہیں گے کہ وزیر مذہبی امور کا اور شراب منگوائے؟

جب تک مولانا وزیرِ اوقاف رہے، مزاروں پر قوالی کے نام پر طوائفوں کے مجرے بھی جاری رہے۔ ایسے مجروں کی سرپرستی بنفسِ نفیس خود مولانا کیا کرتے تھے۔ ایک بار حضرت امام بری ؒ کے عرس پر قوالی کے پردے میں ملک بھر سے چیدہ چیدہ اور خوبرو طوائفوں کے ناچنے گانے کا اہتمام کیا گیا۔ اس محفل میں شراب پانی کی طرح بہائی گئی۔ ۲۵ ہزار روپے خرچ ہوئے جو سب کے سب وزارتِ اوقاف نے ادا کئے۔

مشہور مثال ہے کہ جیسی روح ویسے فرشتے۔ جیسے چاہنے والے وزیر ویسی ہی ان کو لوٹنے والی عورتیں۔ وزیر لوگ تو عورتوں کے شیدائی تھے، پیشہ ور بدکردار عورتیں، جنہوں نے ان وزیروں کو خوب خوب ایکسپلائٹ کیا ایسے ہی مردان کی ایک اخلاق باختہ اور چالاک عورت رضیہ کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ اس کے پاس جسمانی حسن اور کشش کے علاوہ ایسا چالاک ذہن تھا کہ اس نے پیپلز پارٹی کے متعدد وزیروں کی خدمت کی اور اس خدمت کا خوب صلہ وصول کیا، یہ عورت کسی زمانے میں نواب عبدالغفور ہوتی کی پسندیدہ داشتہ تھی۔ پیپلز پارٹی کے وزراء کا مزاج دیکھ کر وہ ان کے قریب آئی۔ بلوچستان کے میر غوث بخش رئیسانی کی غیر قانونی بیوی بھی بنی اور کوثر نیازی کے ہمراہ دس دن تک خوبصورت کوہستانی وادی سوات میں بھی رہی، جہاں دونوں کھلے ہوئے ماحول میں پہاڑوں کے دامن میں قائم ایک ریسٹ ہاؤس میں دادِ عیش دیتے رہے۔

کراچی ایک ایسا شہر ہے جہاں ہر قسم کی عیاشی کا سامان عام مل جاتا ہے، پیپلز پارٹی کے وزیروں کو اسی بنا پر یہ شہر خاص طور پر پسند تھا۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ بھٹو حکومت جس طرح عیاشی

اور فحاشی کی طرف مائل تھی، بلکہ جنسی انارکی کی سب سے بڑی سرپرست تھی، اس نے اسلام آباد کی بجائے کراچی کو دوبارہ دارالحکومت کیوں نہ بنالیا۔ اسلام آباد میں وہ مزے بہرحال نہ تھے جو کراچی میں میسر آسکتے ہیں ——"

" سابق وفاقی وزیر مذہبی امور، مولانا کوثر نیازی جو پنجاب میں مولانا وسکی کے نام سے مشہور ہیں، سرکاری دورے پر کراچی آتے تو اپنی راتیں رنگین بنانے کی بھرپور کوشش کرتے، مولانا کی سرکاری قیام گاہ قصرِ ناز میں ٹھہرتے، لیکن راتیں شہر کے مختلف فیشن ایبل علاقوں کے بنگلوں میں گزارتے۔ سابق وزیر اطلاعات ونشریات ہونے کی وجہ سے مولانا کے ہاتھ بڑے لمبے تھے اور ریڈیو پاکستان اور ٹی وی کے فن کار ہر وقت مولانا کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگے رہتے۔ چنانچہ مولانا کے ایک اشارے پر ساقی اور جام دونوں کا انتظام کر دیا جاتا تھا۔ وزارتِ نشریات سے ہٹنے کے بعد بھی مولانا نے ریڈیو اور ٹی وی کے آرٹسٹوں اور خاص طور پر ان اداروں سے منسلک خواتین سے قریبی تعلقات برقرار رکھے، ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی میں پیپلز پارٹی کے ایک مقامی رہنما کا بنگلہ تھا جہاں مولانا کے کئی کئی دن اور کئی کئی راتیں بسر ہوتیں اور اس دوران ملاقات کے لیے آنے والی صرف خواتین ہوتی تھیں جن کا جوان اور خوبرو ہونا ضروری ہوتا تھا۔"

(روزنامہ آغاز کراچی، ۲۳ ستمبر)

"یہ حقیقت ہے کہ مولانا اپنی عیاشیوں میں راجہ اندر کو مات کر گئے تھے۔ اپنی وزارت کے زمانے میں مولانا کو عام طور پر دو شوق رہے۔ دولت اکٹھی کرنے کا شوق اور خوبصورت عورتوں سے خصوصی تعلقات استوار کرنے کا شوق۔ ان دونوں کی تکمیل میں وہ انتہائی پستی کی حد تک جانے کو تیار رہتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مولانا کی بعض زیادتیوں کی شکایت خود بھٹو صاحب تک پہنچی اور انہوں نے بھری محفل میں مولانا کو جھاڑا، لیکن معلوم نہیں مولانا کس مٹی کے بنے تھے۔ دو زانو ہو کر معافی مانگتے اور دوبارہ وہی سلسلہ شروع کر دیتے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مولانا کی تمام تر بے اعمالیوں اور بدعنوانیوں کی تفصیلات پر مشتمل ایک خفیہ فائل بھی بھٹو صاحب کے ذاتی سیکرٹریٹ میں کھلی ہوئی تھی۔ یہ فائل ایک قسم کا روزنامچہ تھی جس میں مولانا اور دیگر متعدد

وزیروں کی بدعنوانیوں اور سیاہ کاریوں کے بارے میں وفاقی تحقیقاتی ادارے کی فراہم کردہ ، "مستند معلومات" جمع کی جاتی تھیں ، اکثر وزراء کو اس روزنامچے کا علم تھا اور وہ اپنے بارے میں اسکینڈلوں کے انکشاف اور پبلک میں رسوائی کے خوف سے بھٹو کے سامنے دم نہ مار سکتے تھے ۔ ہمیشہ بھٹو کی خوشنودی میں مصروف رہتے تھے ۔"

کوثر نیازی جو بظاہر ایک دیندار آدمی معلوم ہوتے تھے، چھوٹی چھوٹی ڈاڑھی بھی رکھ چھوڑی تھی، لیکن ان کا باطن کس قدر سیاہ تھا، اس کا ایک ہلکا سا اندازہ ۶ ر دسمبر ۱۹۷۱ء کے "چٹان" میں مرحوم آغا شورش کاشمیری کی ان کے بارے میں رائے سے ہو سکتا ہے ۔

" کوثر نیازی مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی مخبری کے لیے صدر ایوب سے بالواسطہ اور بلا واسطہ ایئر ٹکٹ لے کر کعبۃ اللہ اور مدینۃ النبیؐ جاتا رہا ۔ شراب گھٹی میں پڑی ہوئی ہے، زنا کا چسکہ ہے، قومِ لوط کا فعلِ شنیع جزو فطرت ہے ۔ معکوس عادت بھی ہے ۔ پیپلز پارٹی میں مرزائی امت کا گماشتہ ہے ___"

اپنے دورِ وزارت میں، کوثر نیازی نے لمبے لمبے ہاتھ مارے ۔ اگر اس وزارت کا کوئی اہل کار اس سلسلے میں اس کی خواہش کی تکمیل سے انکار کر دیتا تو اس کے خلاف انکوائری شروع کرا دی جاتی، دور دراز مقام پر اس کا تبادلہ کر دیا جاتا تھا ۔

" مولوی دسکی نے اپنے دورِ وزارت میں ہمیشہ عورت کو قابلِ احترام جگہ دینے کی بجائے جنسی جذبات کو آسودگی بخشنے والا ایک کھلونا سمجھا اور یہ کھلونا بعض بدکردار ارکان اسمبلی اسے اپنی غیرت کے کاندھوں پر رکھ کر پیش کرتے رہے ۔ جن لوگوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا انہیں زیرِ عتاب لایا گیا ، ۲۹ ر جولائی ۱۹۷۲ء کو مولوی دسکی وزارت اطلاعات و نشریات کی حیثیت سے ملتان ریڈیو سٹیشن کا معائنہ کرنے کے لیے آنے والا تھا ۔ اس سے ایک دن پہلے شجاع آباد کے رکن قومی اسمبلی رانا تاج احمد نون نے ریڈیو کے ایک سینئر پروڈیوسر جناب صادق قمر کو اپنی کوٹھی پر بلایا اور یہ فرمائش کی کہ مولوی دسکی کی آمد پر اس کی خدمت میں نوجوان لڑکیاں فراہم کی جائیں ، اس ضمن میں رانا تاج احمد نون نے خاص طور پر

ایک فنکارہ پروین کا ذکر کیا جس نے مولوی وسکی کی ہوس کا نشانہ بننے سے انکار کر دیا تھا۔
جناب صادق قمر نے جو ایک ادیب اور شاعر بھی ہیں بے غیرتی کا مظاہرہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر رانا تاج احمد نے انہیں دھمکی دی کہ وہ اس کے ساتھ نمٹ لے گا، ایک روز مولوی وسکی پروگرام کے مطابق ملتان ریڈیو سٹیشن پر آیا اور اس نے خلافِ ضابطہ جناب قمر کو معطل کر دیا۔"

(روزنامہ سیاست لاہور، ۱۸ ستمبر ۱۹۷۷ء)

یہ تھے پیپلز پارٹی کے عوام دوست اور عوام پرور وزیر جنہوں نے سرکاری ملازمین کے ہفتے منائے، لیکن ایک غیرت مند سرکاری افسر کو اس لیے معطل کر دیا کہ اس نے لڑکیوں کی سپلائی کے معاملہ میں وزیر کا کہنا ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

چونکہ کوثر نیازی جیسے وزیروں کا زیادہ وقت لڑکیوں اور آبرو باختہ عورتوں کی صحبت اور مجلس میں گزرتا تھا۔ انہیں اپنی "طاقت کو برقرار" رکھنے کے لیے مختلف اقسام کی ادویات اور انجکشنوں کا سہارا لینا پڑتا تھا تاکہ آزمائشی وقت پر شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

"سرکاری خرچ پر کئی حج کرنے والا جگ فہیم مولوی کوثر نیازی جنسی لذت حاصل کرنے کیلئے کئی غیر ملکوں سے مخصوص قسم کی ادویات ناجائز طور پر درآمد کرتا رہا، اپنے باس کی طرح مولوی بھی شراب و شباب کا شیدائی ہے اور اس کا دائرہ کار مختلف قسم کی عورتوں تک پھیلا ہوا ہے جن میں غریب اور بدنصیب خواتین بھی شامل ہیں جنہیں مذہب کے اس سرکاری ٹھیکیدار نے ملازمتیں دلانے کے عوض گوہرِ عصمت سے محروم کر دیا، مولوی کوثر نیازی کسی انسان کا نام نہیں، بلکہ ایک جنس زدہ مخلوق کا نام ہے جس کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف جنسی لطف اٹھانا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ کئی یورپی اور ایشیائی ملکوں سے جن میں مغربی جرمنی اور بھارت بھی شامل ہیں اپنے خاص دوستوں کے ذریعے قوّتِ باہ میں اضافہ کرنے والی ادویات منگواتا رہا ہے۔ ۔ ۔ مولوی کا طریقہ واردات یہ تھا کہ مختلف بزرگانِ دین کے عرسوں پر جانے والے زائرین کے ساتھ اپنے محکمہ کا ایک افسر بھیج دیا کرتا تھا جو نئی دہلی کے مشہور چوک میں واقع حکیم صاحب کی دکان سے خاص قوام لے کر آتا۔ یہ قوام خاص قیمتی ہوتا ہے جسے صرف مالدار اور عیاش ترین

لوگ ہی استعمال کرتے ہیں۔ آخری بار محکمہ حج کے اکاؤنٹ آفیسر محمد سلیم کو نئی دہلی بھیجا گیا لیکن جب وہ واپس آیا تو مولوی وسکی وزارت سے محروم ہو چکا تھا چنانچہ اس نے یہ قوام بطور امانت مولوی کے پرائیویٹ سیکرٹری کے سپرد کر دیا اور مولوی وسکی کے کرتوتوں کا پردہ فاش ہو گیا۔

(روزنامہ سیاست لاہور، ۱۵ ستمبر ۱۹۷۷ء)

مولانا کوثر نیازی (جنہیں مولانا کہنا اس لفظ کی توہین ہے) ابھی تازہ تازہ وزارت میں گئے تھے، کہتے ہیں کہ ایک یخ بستہ رات کو انہوں نے ایک لیڈی ورکر، جسکا تعلق فیصل آباد سے تھا، کو کسی طرح اپنے دامِ میں پھانسا اور گھر لے آئے۔ جب اس واقعہ یا واردات کی اطلاع پیرزادہ کو ملی تو وہ ایک دو اور وزیروں کے ساتھ (جنہیں کوثر نیازی کی طرح شراب کا چسکہ تھا) جائے واردات پر پہنچے اور کوثر نیازی کی اجارہ داری ختم کر دی۔ تاہم بعد میں کوثر نیازی نے اس عورت کو پوری طرح اپنے قبضے میں کر لیا اور پیرزادہ وغیرہ کو اپنے شکار پر دانت گاڑنے کا موقع نہیں دیا۔

کوثر نیازی کے سر پر "سیکس" ایک بھوت کی طرح سوار تھی، کہتے ہیں کہ عین ان دنوں جبکہ قوم خون میں نہا رہی تھی اور ملک ایک زبردست بحران سے دوچار تھا، وہ اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کی اقامت گاہ پر شراب و شباب کی محفلیں برپا کیا کرتے تھے اور وزارت میں ان سے ملاقات کے لیے جانے والوں سے کہا جاتا کہ موصوف ایک اہم اجلاس کے لیے وزیر اعظم ہاؤس گئے ہیں۔ لطیفہ یہ ہے کہ برسرِ اقتدار آنے کے بعد سے اب تک انہوں نے اپنے ذاتی عملہ میں ایسے ہی لوگوں کو رکھا تھا جو ان کی "خلوت" کا سامان کریں اور جو ان کی رنگ رلیوں کے بارے میں خاموش رہیں۔ چنانچہ انہی خدماتِ جلیلہ کے عوض انہوں نے اپنے ایک سابق سٹینوگرافر کو کلاس ون تک پہنچا دیا ہے اور ایک پرائیویٹ سیکرٹری کو بیک وقت تین تین آسامیوں کی ذمہ داری سونپ رکھی ہے"

(ہفت روزہ چٹان، یکم اگست ۱۹۷۲ء)

حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور مذہب کے لبادے میں جس قدر نقصان کوثر نیازی نے اسلام اور اخلاق کو پہنچایا وہ شاید اندرا گاندھی بھی نہیں پہنچا سکتی تھیں "مولانا" کے کرتوتوں

اقتدار کو قوم بہو بیٹیوں کی عزت وعصمت سے سے شیطان بھی شاید شرماتا ہوگا۔ انہوں نے حج کی آڑ میں اسمگلنگ کی، عمرے کے پردے میں ناجائز کھیلنے کا ذریعہ سمجھا۔ انہوں نے ٹی۔وی، فلم، ریڈیو اور بازارِ حسن طریقے سے عیاشی کے لیے غیر ملکی سامان درآمد کیا۔ انہوں نے شریف لوگوں کی عزتوں پر ہاتھ ڈالنے میں کبھی کی "پریوں" کو راتوں رات مالامال کر دیا۔ انہوں نے ملک بھر میں عورتوں کی دلالی کا ایک وسیع نظام قائم کیا، انہوں نے مذہبی امور گریز نہ کیا، انہوں نے ملک بھر میں عورتوں کی دلالی کا ایک وسیع نظام قائم کیا، انہوں نے مذہبی امور کے بجٹ سے وسکی خریدی، علین سیرت کانفرنس میں "خوبصورت کانفرنس" منعقد کی۔ وہ اپنے ملکی دوروں میں شراب اور لڑکی ساتھ ساتھ لیے پھرتے تھے، عیاشی میں کوئی دوسرا ان کا ہم پلّہ نہ تھا. اس میدان میں اپنے حریف وہ خود تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس مختلف عورتوں کے ساتھ قربت کے برہنہ مناظر کی تصاویر ہوتی تھیں، ان کا اپنا مووی کیمرہ ہوتا تھا جو اس سلسلے میں ان کی مدد کرتا تھا۔ وہ فحش گو بھی تھے، فحش بین بھی تھے، بلیو فلمیں انہی کے دور میں پھیلنا شروع ہوئی تھیں۔ ممتاز بھٹو اور پیرزادہ کی طرح ان کا وجود جنسی بدکاری کا مجسم نمونہ تھا۔

تاج بی بی بلوچ فیم ممتاز بھٹو

عیاشیوں کے مانے ہوئے کھلاڑی، شراب اور شباب کے رسیا، زیڈ۔اے بھٹو کے "ٹیلینٹڈ کزن" اپنی جگہ کسی سے کم نہ تھے۔ پیرزادہ عورتوں کی طرح نازک بدن تھے تو ممتاز بھٹو مردانہ وجاہت کا جیتا جاگتا نمونہ، ان کی لمبی اور گھنی مونچھیں یقیناً ایک خاص کشش رکھتی تھیں، ان کی شکل وصورت سے جارحیت کا اظہار ہوتا تھا لیکن اپنی اس جارحیت کا استعمال وہ صرف عورتوں کے معاملے میں کیا کرتے تھے جن کی طرف وہ حد سے کچھ زیادہ ہی مائل تھے۔

ممتاز بھٹو بھی پیپلز پارٹی کے دور کے ان چند وزرا میں شامل تھے جنہوں نے اپنے وزارتی اختیارات کا خوب فائدہ اٹھایا اور مہنگی سے مہنگی عیاشی کا ذائقہ چکھتے رہے۔ ممتاز بھٹو کی راتیں گھر میں کم اور انٹرکانٹی نینٹل معیار کے ہوٹلوں کے مخصوص کمروں میں زیادہ بسر ہوتی تھیں، جہاں نوجوان چھوکریوں کے ساتھ ساتھ عیش کے دیگر لوازمات مہنگی ولائتی شراب، کباب وغیرہ بھی دستیاب ہوتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ممتاز بھٹو کی نفسانی بھوک مٹنے ہی میں نہ آتی تھی۔ اس کے دلال لاہور اور

کراچی میں اس کے لیے "تازہ مال" ڈھونڈتے رہتے تھے۔ وہ ہیرا منڈی کے انتہائی مہنگے مال کے مستقل گاہک تھے۔ غیر ملکی ڈانسر لڑکیوں سے بھی دل بہلا لیتے تھے۔ جب وہ لاہور آتے تھے تو ان کے لیے "سارا بندوبست" پہلے سے کر دیا جاتا تھا۔

بھٹو کی دوستی اداکار محمد علی کی بیوی اداکارہ زیبا کے ساتھ تو مشہور ہی ہے، یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ زیبا کے ساتھ ممتاز بھٹو کی بھی بے تکلفی تھی۔ جب کبھی ممتاز بھٹو لاہور آتے تو زیبا کی مدارات سے بھی ضرور محظوظ ہوتے تھے۔ (ایک اخباری خبر ملاحظہ فرمایئے)

اداکار محمد علی کی بیوی سابق وفاقی وزیر ممتاز علی بھٹو کو اپنے ہاتھ سے شراب کے جام بنا کر پیش کرتی تھی، واضح رہے کہ محمد علی اور زیبا سیاسی شخصیتوں، بالخصوص پیپلز پارٹی کے وزرا کو دعوتیں دینے میں پیش پیش رہتے تھے۔ ان دعوتوں کی خصوصیت اعلیٰ قسم کی شراب ہوتی تھی جو کہ افراط سے ملتی تھی۔ علاوہ ازیں خوبصورت چہرے بھی دیکھنے میں آتے تھے، جو کہ اکثر ممتاز بھٹو کی بھینٹ چڑھائے جاتے تھے۔ ایک رات محمد علی اور زیبا نے ممتاز بھٹو کی دعوت کی جس میں پیر غلام رسول شاہ بھی ممتاز بھٹو کے ساتھ شریک ہوئے۔ اس موقع پر زیبا نے اپنے ہاتھ سے ممتاز بھٹو کو شراب کے پیگ بنا کر دیئے اور ممتاز بھٹو زیادہ پی جانے کے بعد بہکنے لگے جب وہ گرنے لگتے تو خوبصورت چہرے ان کو سنبھالتے اور زیبا قہقہے لگاتیں۔

(روزنامہ صداقت کراچی، ۲۹ ستمبر ۱۹۷۷ء)

مشہور سی ایس پی افسر، مرحوم مصطفےٰ زیدی (جو بڑے اچھے غزل گو شاعر بھی تھے اور جوش نے اپنی آپ بیتی میں ان کی بڑی تعریف کی ہے)، کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک، ٹھیکیدار کی بیوی شہناز گل کے عاشق تھے اور ان کی خودکشی، موت یا قتل کا ایک سبب شاید یہ عورت بھی تھی۔ شہناز گل کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ کردار کی جیسی بھی ہو، حسنِ نسوانی کا ایک شاہکار ہے۔ ممتاز بھٹو شہناز کے چاہنے والوں میں شامل تھے اور کیا عجب ان کا انجام بھی اس آبرو باختہ ناگن کے دوسرے نامراد عاشقوں جیسا ہو۔

"کم ہی لوگوں کو معلوم ہوگا کہ مصطفےٰ زیدی فیم شہناز گل سے بھی موصوف کے گہرے

تعلقات تھے۔ ایسی ہی ایک پارٹی میں جہاں ممتاز بھٹو شہناز گل کو لے کر آئے تھے، بڑے صاحب کی نظر شہناز گل پر پڑی ۔۔۔ آپ نے کہا او سنگِ مرمر کی لڑکی، ادھر آؤ ۔۔ اور کچھ ہماری بات بھی سنو،، سنگِ مرمر کی لڑکی آئی اور اگلے روز اسلام آباد میں تھی، چوتھے روز واپس کراچی پہنچ گئی۔ اس کی باتوں سے محسوس ہوتا تھا، پاکستان کی اصل حکمران پیپلز پارٹی نہیں، سنگِ مرمر کی لڑکی ہے۔ یہ بھی سنا گیا کہ ٹیلینٹڈ کزن کی ناراضگی کا اصل سبب یہ تھا کہ انہیں ملال تھا کہ ان کی محبوبہ ایک شہنشاہ نے اقتدار کا سہارا لے کر چھین لی ہے۔ ایک اور روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ممتاز بھٹو اپنے گورنری کے زمانے میں کمرے میں بند تھے، پیپلز پارٹی کے نائب صدر مخدوم محمد زمان طالب المولیٰ اِن سے ملنے آئے۔ ممتاز بھٹو نے انکار کر دیا۔ سیکرٹری نے پھر مداخلت کی اور عرض کیا کہ مخدوم صاحب ناراض ہو جائیں گے۔ ممتاز بھٹو غصے میں آ کر بولے: "اس طالبِ مولیٰ کو کہو کہ میں سرکاری کام کروں یا اس کام کے لیے وقت نکالوں۔" کہا جاتا ہے کہ یہ سرکاری کام شہناز گل سے طویل ملاقات تھی، جو کئی گھنٹے پہلے شروع ہوئی تھی ۔۔۔۔ یہ باتیں پاکستان کے عام لوگوں کو شاید عجب لگیں۔ لیکن پیپلز پارٹی کے اکثر رہنما جس تہذیب کے دلدادہ تھے۔ اس میں یہ سب کچھ چلتا تھا۔ شراب، شباب کو لیکر آتی تھی اور جہاں قدرت کی یہ دونوں چیزیں جمع ہو جائیں، وہاں ان کی حفاظت کے لیے ناجائز کمائی، اقربا پروری، رشوت اور کالے دھندے کی موجودگی ضروری ہے، چنانچہ آج جو داستانیں منظرِ عام پر آ رہی ہیں وہ ان حقائق کی جھلکیاں ہیں۔ عورتوں کی بنا پر گروپ بنتے اور بگڑتے تھے۔ خود نصرت بھٹو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مسٹر بھٹو کے رویے سے تنگ آ کر خودکشی پر تیار ہو گئی تھیں۔ (صحافت - ۸)

ممتاز بھٹو کے شرمناک کردار کی ایک داستان، ممتاز مزدور رہنما آفتاب ربانی کی روایت سے ہفت روزہ صحافت میں بھی شائع ہوئی تھی:-

" ممتاز بھٹو بہت عیاش انسان ہیں لاہور آتے ہی وہ شراب اور لڑکیوں کے چکر میں پڑ جاتے۔ ان کی ذاتی مجلسوں میں کم ہی لوگ جا سکتے تھے، تاہم بدقسمتی (یا خوش قسمتی سے) مجھے ان چند لوگوں میں شامل ہونے کا موقع مل چکا ہے۔ ۱۹۷۵ء کے اوائل کا ذکر ہے، ممتاز بھٹو لاہور

آئے اور حسبِ معمول انٹرکانٹی نینٹل میں ٹھہرے ، رات کو ان کی طرف سے اطلاع ملی کہ اداکار محمد علی کے گھر دعوت ہے ، تم بھی پہنچ جاؤ۔

محمد علی اور زیبا سیاسی شخصیتوں بالخصوص پیپلز پارٹی کے وزراء کو دعوتیں دینے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ، ان دعوتوں کی نمایاں خصوصیتِ اعلیٰ قسم کی شراب ہوتی تھی جو افراط سے ملتی۔ علاوہ ازیں خوبصورت چہرے بھی دیکھنے میں آتے ، اس رات میں ذرا دیر سے گلبرگ میں واقع محمد علی کی کوٹھی پر پہنچا تو محفل جوبن پر تھی ، ممتاز بھٹو کافی چڑھا چکے تھے اور خوب کھل کر باتیں کر رہے تھے۔ مجھے ان پیر صاحب کا نام بھول گیا ہے جو ان کے ساتھ تھے ، محمد علی اور ان کی بیگم زیبا میزبانی کے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے ادا کر رہے تھے اور شراب کے ساتھ تمام لوازمات بھی موجود تھے ـــــ

ممتاز بھٹو پوری فارم میں آئے تو سندھی پیر نے موقع غنیمت جان کر لاہور ریلوے کی لوکو ورکشاپ کا ذکر چھیڑ دیا اور کہا کہ اگر یہ ورکشاپ سندھ میں تبدیل کر دی جائے تو دو فائدے ہوں گے۔ پہلا یہ کہ اس ورکشاپ کو بڑھا کر ملوں اور فیکٹریوں کی مشینیں تیار ہو سکتی ہیں ، دوسرے یہ کہ اندرونِ سندھ بے روزگاری کا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔

" میرا خیال تھا کہ ممتاز بھٹو اس بات کو بھول جائیں گے ، لیکن اگلی مرتبہ وہ لاہور آئے تو انٹرکان ہی سے مجھے فون کیا اور فوراً پہنچنے کو کہا۔

میں انٹرکان میں پہنچا تو ممتاز بھٹو کی حالت قابلِ رحم تھی ، دو جوان اور خوبصورت لڑکیاں ، سر سے پاؤں تک برہنہ ان کے پلنگ پر دائیں اور بائیں لیٹی تھیں۔ شراب کے نشے میں ممتاز بھٹو سے بولنا مشکل ہو رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر میں مڑنے والا ہی تھا کہ انہوں نے زبردستی مجھے روک لیا اور کہا تم سے نہایت ضروری بات کرنی ہے۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ ممتاز بھٹو نے کہا دیکھو ربانی! تم میرے دوست ہو اور میں چاہتا ہوں کہ اس بار لوکو ورکشاپ والا مسئلہ طے کر لوں۔ تم ورکرز فیڈریشن کی طرف سے مجھے یہ لکھ کر دو کہ مزدوروں کو ورکشاپ کے لاہور سے اندرونِ سندھ منتقل کرنے پر کوئی اعتراض نہیں۔ میں نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا۔ لاہور کے سارے ورکر اس کی مخالفت کریں

اور ورکروں کو ماں بہن کی گالیاں دینے لگے۔ یہ سن کر ممتاز بھٹو آپے سے باہر ہو گئے اور ورکروں کو ماں بہن کی گالیاں دینے لگے۔ بیں گے۔ یہ سن کر ممتاز بھٹو آپے سے باہر ہو گئے اور کہا یہ معمولی کام نہیں، آپ کے لیے اس کے نتائج برداشت نے اس مرحلے پر انہیں پھر سمجھانا چاہا اور کہا یہ معمولی کام نہیں، آپ کے لیے اس کے نتائج برداشت کرنا مشکل ہو جائے گا۔ مگر وہ کچھ سننے پر آمادہ نہ تھے۔ انہوں نے کہا پنجابی میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں تم لوگ تو ہمیشہ سے بے غیرت ہو اور دیکھو یہ دو پنجابنیں اس وقت میرے پاس اوندھی لیٹی ہیں۔

سچ ہے کہ میں نے آخری مرحلے تک کوشش کی، میرا تعلق پیپلز پارٹی سے تھا، مجھے اپنی پارٹی کا مفاد بھی عزیز تھا اور ممتاز بھٹو، بھٹو صاحب کے بھائی ہی نہیں وزیرِ مواصلات بھی تھے جن سے میرا روز کا سابقہ تھا، مگر ممتاز بھٹو کا ذہن اندر سے اتنا گندہ ہو گیا کہ یہ میں سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ انہوں نے برہنہ لڑکیوں کی پشت پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا: ربانی! "تم اتنے ہی غیرت مند ہو تو پہلے پنجابی وزیروں سے کہو وہ اپنی بیویاں اور بیٹیاں لے کر ہمارے پاس نہ آیا کریں۔"

وزیر اور اعلیٰ افسران تو شاید بادشاہِ وقت کی قربت اور عہدہ میں ترقی کے خیال سے بھی بے غیرت بن جاتے ہوں گے، آپ ان فیشن ایبل رنڈیوں کے حوصلے کی داد دیجیے جو اپنی اکلوتی اور خوبصورت بیٹی کو ممتاز بھٹو کی آغوش میں ڈال کر کمرے کے باہر چٹخنی لگا دیتی ہیں۔ اور یہ داستان بھی عام ہے کہ کراچی کے ایک فیشن ایبل علاقے میں شمشاد نامی ایک عورت رہتی ہے... یا شاید عورت کہنا نامناسب ہو گا۔ بائی کہہ لیجیے، غضب کی لڑکیاں ہوتی ہیں اس کے پاس۔ ممتاز بھٹو کے لیے یہاں سے بھی چناؤ ہوتا تھا۔ بہت "مہمان" پیش کیے جا چکے ہیں، جن میں خود شمشاد کی اپنی بیٹی بھی شامل تھی۔ ممتاز بھٹو اقتدار سے اترے تو اس کی بیٹی کو پھر بلایا۔ شمشاد بائی نے انکار کر دیا... اور کہا پہلے تو مجبوری تھی کہ وہ حاکم تھا، مگر اب میں اپنی بیٹی کو نہیں بھیجوں گی، کم بخت نے اس کی عادتیں خراب کر دی ہیں۔ (صحافت - ۸)

کہا جاتا ہے کہ ممتاز بھٹو کی خاص خواتین کے حلقے میں مشہور فلمی ایکٹریس حُسنہ بھی شامل تھیں۔

"یوں تو ہمہ خانہ آفتاب والی بات ہے، لیکن ممتاز بھٹو اس حمام میں کچھ زیادہ ہی ننگے ہو گئے۔ یہ اپنی منظورِ نظر عورتوں کو جعلی ناموں پر پلاٹ الاٹ کرتے رہے اور نقد رقم سے بھی ان کی خدمت کرتے رہے۔ یہ عوامی خدمت گار جب سندھ کا وزیرِ اعلیٰ تھا تو اس کے حلقۂ احباب میں مشہور

فلمسٹار حُسنہ بھی شامل تھی، مسٹر بھٹو اس کی کارکردگی سے خوش ہوئے تو اپنے ہاتھ سے کراچی کے ترقیاتی ادارے کے ڈائریکٹر جنرل کو خط لکھا کہ وہ حُسنہ کو ایک ہزار گز کا پلاٹ الاٹ کر دیں، ایک اور بھی پلاٹ بھی الاٹ کرنے کا حکم جاری کیا۔ چنانچہ قدرت جہاں کے نام پر ناظم آباد میں دس ہزار گز کا پلاٹ صرف پچاس ہزار روپے میں الاٹ کر دیا۔ مبینہ طور پر اس رقم کی ادائیگی بھی مسٹر ممتاز علی بھٹو نے کی، یہی نہیں فلمسٹار حُسنہ کی زیادہ سے زیادہ سالانہ آمدنی بیس پچیس ہزار روپے تھی اور پھر وہ اچانک مال دار بن گئی۔

سیاست - ۱۱ر نومبر ۱۹۷۷ء

شہناز گل کے بارے میں ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ممتاز بھٹو نے اس خوبصورت سوسائٹی گرل کو بلیک میل کے ذریعے اپنے جنگل میں پھنسایا تھا۔ شہناز گل کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے حسن وجمال کو کسی ایسے ویسے کھلاڑی کے ہاتھ فروخت نہیں کیا کرتی۔ اس کی طبیعت میں غرور بھی ہے۔ "بھٹو کے چچیرے بھائی اور سابق وفاقی وزیر ممتاز بھٹو دھونس کے علاوہ بلیک میلنگ سے بھی کام لیا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک واقعہ گوجرانوالہ کی شہناز گل کا ہے جس نے ایک مشہور شاعر مصطفےٰ زیدی کی پراسرار ہلاکت کے بعد اچانک شہرت حاصل کر لی تھی۔ شہناز گل گوجرانوالہ کی ایک سادہ اور گھریلو قسم کی لڑکی تھی جس کی شادی بہاولپور کے سلیم اللہ سے ہوئی تھی۔ شادی کے بعد شہناز گل کو اس نے ماڈرن رنگ میں رنگا تو شہناز ایک قیامت بن کر اعلیٰ سوسائٹی پر گری، بہت سے لوگ اس کے حسن کے اسیر ہوئے۔ مسٹر ممتاز بھٹو جب سندھ کے وزیر اعلیٰ بنے تو انہیں اچانک شہناز گل کی یاد آگئی۔ انہوں نے اسے بلایا اور رام کرنے کی کوشش کی شہناز گل رسوائی کے بعد تقریباً گوشہ نشین ہو چکی تھی، اس نے ممتاز بھٹو سے کنی کترانے کی کوشش کی تو سندھ کے اس وڈیرے نے دھمکی دی کہ وہ مصطفےٰ زیدی کے "قتل" کی دوبارہ تحقیقات کا حکم دے دیں گے۔ شہناز گل یہ دھمکی سن کر ڈر گئی اور اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ شہناز گل کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ جب بھی کسی کے سامنے آتی تو دیکھنے والا اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

(روزنامہ سیاست، ۱۱ر نومبر ۱۹۷۷ء)

"یہ بھی حقیقت ہے کہ سندھ کی وزارتِ عالیہ سے ممتاز بھٹو کا اخراج اسی شہناز گل کی وجہ

سے عمل میں آیا تھا، جب مسٹر بھٹو نے ممتاز بھٹو سے شہناز گل کو چھینا تو اس کے ساتھ اس کی وزارت اعلیٰ بھی چھین لی۔ ممتاز بھٹو کی لذت پرستی اور عیاشی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اخبارات کی ایک اطلاع کے مطابق اس نے دادِ عیش دینے کے لیئے لاڑکانہ میں ایک عالیشان کمرہ تعمیر کرایا۔ جن لوگوں نے انگریزی فلم "ایڈونچر" دیکھی ہے یا جنہوں نے ہیرالڈ رانبز کا ناول پڑھا ہے وہ اس کمرہ کی ڈیکوریشن کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یہ کمرہ مجسموں سے آراستہ ہے، ان کے ذریعے مرد و زن کے اختلاط کے درجنوں عملی مناظر دکھائے گئے ہیں۔ عموماً یہاں غیر ملکی مہمانوں کی تواضع کی جاتی تھی۔"

یہ تھے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے وزیر اور ان کا اخلاقی کردار۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جن دنوں ممتاز بھٹو سندھ کے وزیر اعلیٰ تھے، چیف منسٹر ہاؤس میں بڑے اہتمام سے ننگی اور فحش فلمیں دیکھتے تھے، ان فلموں کو دوسرے خاص مقامات پر دکھانے کے لیے خاندانی منصوبہ بندی کی ایسی گاڑیاں استعمال کی جاتی تھیں جن میں پروجیکٹر نصب ہوتے تھے۔ کراچی کے ترقیاتی ادارے کے ایک افسر نے قسم کھا کر کہا کہ ایک دفعہ سندھ کے ایک ریسٹ ہاؤس میں اس کی موجودگی میں ممتاز بھٹو اور پیرزادہ دو خوبصورت لڑکیوں کو لے آئے جنہوں نے سینٹ جوزف کالج کی یونیفارم پہنی ہوئی تھی۔ کتابیں ان کے ہاتھوں میں تھیں، لیکن جیسے ہی دونوں وزراء شراب کی مستی میں آئے، ان خوبصورت لڑکیوں کو کتابوں کے بوجھ سے نجات مل گئی۔

کراچی شہر میں، ممتاز بھٹو ایک بگڑے ہوئے شہزادے کی طرح مشہور تھا جسے ہر رات ایک نئی عورت کی ضرورت پڑتی تھی، وہ الف لیلوی شہریار تھا جو ہر شب ایک نئی عورت سے خلوت کرتا تھا۔ شراب اس کے نزدیک ایسے تھی جیسے پانی، جب بھٹو نے اقتدار سنبھالا تو اس نے اپنی پہلی تقریر میں ممتاز بھٹو کا تعارف اپنے "ٹیلنٹڈ کزن" کی حیثیت سے کرایا۔ بعد میں جب یہ ٹیلنٹڈ کزن صوبہ سندھ کا وزیر اعلیٰ مقرر ہوا تو معلوم ہوا کہ اس کے پاس واحد "ٹیلنٹ" خوبصورت عورتوں کو اپنے دام میں پھنسانا تھا، اس زمانے میں سندھ کی صوبائی اسمبلی میں ایک نوجوان خاتون رکن ہوتی تھیں، تاج بی بی بلوچ، تاج بی بی پنجاب اسمبلی کی ریحانہ سرور کا سندھی ایڈیشن تھیں اور جو تعلق

یارالطہ ریحانہ سرور کو سابق گورنر اور وزیر اعلیٰ پنجاب کھر سے تھا، وہی تعلق بلکہ تعلقِ خاطر، تاج بی بی کو سندھ کے وڈیرے گورنر اور وزیر اعلیٰ، ممتاز بھٹو سے تھا۔ ایک مرتبہ کراچی کے ایک اخبار میں، سندھ اسمبلی کے سرکاری بنچوں کی ایک تصویر شائع ہوئی جس میں ممتاز بھٹو، تاج بی بی کو محبت بھری نظروں سے گھورے جا رہے تھے۔ یہ تصویر ممتاز بھٹو کی بے خبری یا حسنِ یار میں محویت کے عالم میں اتاری گئی تھی۔

عورتوں کے ساتھ بے ہودہ تعلقات قائم کرنے کے علاوہ، ممتاز بھٹو میں اور کوئی سیاسی یا انتظامی لیاقت نہ تھی، اپنے عہد میں ممتاز بھٹو نے ایک منصوبے کے تحت شہر کراچی کو وسیع تر چکلے میں تبدیل کرنے کی کوشش کی، اس کوشش میں سابق وزیر اعظم کی اشیر باد بھی اسے حاصل تھی، دولت اور سرکاری وسائل کو اس مقصد کے لیے بڑی بے دردی سے استعمال کیا گیا، اپنی وزارت کے اعلیٰ افسروں کی خوبصورت بیویوں سے اختلاط ایک معمول بن گیا تھا، جو افسر اس معاملے میں قدامت پسندی یا "بے تہذیبی" کا مظاہرہ کرتے انہیں ایک طرف "کھڈے لائن" لگا دیا جاتا۔ بعض اوقات جبری طور پر بھی سبکدوش کر دیا جاتا تھا۔ بازارِ حسن کے دلال، ممتاز بھٹو کے دور میں لکھ پتی ٹھیکیدار بن گئے، جو اصلی ٹھیکیدار تھے وہ دلال بن گئے کیونکہ ٹھیکیداری کے مقابلے میں عورتوں کی سپلائی کا کاروبار زیادہ منافع بخش ثابت ہو رہا تھا۔ کراچی میں نائٹ کلبوں کا جال بچھایا گیا جہاں ممتاز بھٹو اور دیگر وزیر دادِ عیش دیا کرتے تھے۔ ایسے خفیہ کلب بھی قائم ہوئے جہاں بلیو فلموں سے لے کر جنسی کرتبوں کا عریاں اور عملی مظاہرہ تماشائیوں کی دلچسپی کے لیے پیش کیا جاتا تھا، ان کلبوں کی سرپرستی، ممتاز بھٹو اور بعد میں مصطفےٰ جتوئی کرتے رہے، چونکہ میر رسول بخش تالپور اس معاملے میں ذرا قدامت پسند واقع ہوئے تھے لہذا بھٹو نے انہیں سندھ کی گورنری سے جلد ہی فارغ کر دیا، بلکہ اپنی حدود کو دیکھ وہ خود ہی الگ ہو گئے تھے۔ ممتاز کامیاب رہے کیونکہ وہ بھٹو کی طرح رنگین مزاج واقع ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ پیپلز پارٹی کے اوباش اور غلط کار وزیروں میں سے اکثر کا تعلق سرزمین کراچی یا سندھ سے تھا۔ پنجاب اور سرحد میں سے بھٹو حکومت میں شامل بہت کم وزیر ایسے تھے جن پر عیاشی اور گمراہی کا الزام لگایا جا سکے، لیکن ان وزیروں میں جو چند ایک اس قسم کے تھے وہ شاید سندھی وزیروں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ انہی وزیروں میں سے ایک پنجاب کے سابق گورنر، وزیر اعلیٰ اور بھٹو

حکومت کے آخری ایام میں بھٹو کے ذاتی مشیر، غلام مصطفےٰ کھر بھی تھے۔

کھر بنیادی طور پر ایک بدکردار زمیندار رہے ہے۔ پیپلز پارٹی میں آنے سے پہلے اس کی دوستی وزیر خارجہ بھٹو سے تھی، اس دوستی کا اصل سبب، دونوں کے درمیان انتہائی قریبی ذاتی تعلقات تھے۔ دونوں کے درمیان کسی قسم کا کوئی حجاب نہ تھا۔ روایت ہے کہ وہ ایک دوسرے کی محبوباؤں سے تنہائی میں بھی مل لیتے تھے۔ کھر نے کئی دفعہ خود کو مسٹر بھٹو کا ذاتی ملازم کہا، اس کا ڈرائیور رہنے کا دعویٰ بھی کیا۔ وہ صحیح کہتا تھا۔ دونوں کے درمیان قریبی مراسم کی نوعیت ہی کچھ ایسی تھی۔ دونوں نشۂ شباب کے شوقین، عورتوں کے شیدائی تھے، کھر کو قریب سے جاننے والے کہتے ہیں کہ پنجاب کے اکثر شہروں کی طوائفیں، ان کی واقف اور پرانی دوست ہیں۔ اسی طرح اس کے تعلقات لاہور کے سٹوڈیوز کے خوبصورت چہروں سے بھی رہے ہیں۔ بہت کم لوگوں کو اس استغاثے کا علم ہوگا جسے کھر کے سگے بھائی، ملک نور رحمانی کھر نے جون ۱۹۷۵ء میں مصطفےٰ کھر کے خلاف دائر کیا تھا۔ اس استغاثے میں اس کے بھائی نے حلفاً یہ بیان دیا تھا:۔

"ملک غلام مصطفےٰ کھر کو ۲۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کے دن پنجاب کا گورنر مقرر کیا گیا، وہ مجھے اپنے ساتھ لے آیا اور گورنر ہاؤس میں حفاظتی دستے کا نگران مقرر کیا۔۔۔ اس عرصہ کے دوران میں نے دیکھا کہ ملک غلام مصطفےٰ کھر زیادہ تر فلمی اداکاروں محمد علی اس کی بیوی زیبا، شبنم، سدھیر اور ناہید کے ساتھ رہتا ہے۔ اس کے علاوہ بیشتر کال گرلز کو رات کے دوران تفریح کا سامان مہیا کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے۔ ان کو شراب مفت پیش کی جاتی ہے اور بعض اوقات وسکی کی دو تین درجن بوتلیں ایسی تقریبات کی نذر ہو جاتی ہیں۔ ملک غلام مصطفےٰ کھر مختلف عورتوں کے ساتھ جنسی تعلقات استوار کرتا تھا جن کے نام میں ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا، گورنمنٹ ہاؤس میں میرے قیام کے دوران ایسی پارٹیاں معمول رہیں اور مجھے یہ دیکھ کر دکھ ہوا کہ عوامی سرمائے کا بیشتر حصہ ان لوگوں کو شراب پلانے پر ضائع کیا جاتا رہا جو کہ سرکاری تقریبات کے مدعوئین میں کبھی شامل نہ تھے، غلام رسول بیرا ان حالات سے واقف ہے پنجاب کے ایک سابق چیف سیکرٹری، کھر کی محفلِ شراب میں باقاعدہ حاضری دینے والوں میں ہوتے تھے۔ کھر کے بارے میں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ پنجاب اسمبلی کی ایک خوبصورت خاتون رکن

کے ساتھ ان کے تعلقات نہایت قریبی تھے ۔ اس خاتون ایم پی اے کو گورنمنٹ ہاؤس کی شبینہ محفلوں میں اکثر "مہمانِ خصوصی" کا اعزاز دیا جاتا تھا ۔

لاہور کے مشہور بازارِ حسن ، ہیرا منڈی کے "ہیروں" کے ایک جوہری ، بلکہ سب سے بڑے جوہری' غلام مصطفےٰ کھر بھی تھے ۔ کہا جاتا ہے کہ جب مصطفےٰ کھر ۱۹۷۱ء میں گورنر پنجاب مقرر ہوئے تھے تو شاہی مسجد کے قریب آباد اس بدنام علاقے میں طوائفوں نے اپنے بہترین اور بھڑکیلے لباس پہن کر خوشی کے اظہار میں چراغاں کیا تھا ۔

" مصطفےٰ کھر پہلی بار ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور پنجاب کے گورنر بنے تو پہلی رات ہی گورنر ہاؤس میں خوب جشن منایا گیا ۔ شراب تو سرکاری طور پر مل گئی البتہ شباب کی سپلائی کا کام اسی بازار کے معتبروں نے انجام دیا ۔ معروف صحافیوں حسین نقی اور مظفر قادر کے ہفت روزہ پنجاب پنچ نے اس رات کی تفصیل بھی شائع کی جس پر مصطفےٰ کھر ان دونوں افراد کے دشمن ہو گئے ۔ بہرحال مصطفےٰ کھر کے حوالے سے آدھی گورنری بازارِ حسن کے اس حصے میں بھی آئی جہاں اداکارہ ناہید رہتی تھی جو فلم "جماں جنج نال" میں ہیروئن اور "ظلم دا بدلہ" میں سائیڈ ہیروئن کے کردار ادا کر کے فلم بینوں میں بہت معروف ہے ۔

" اس بازار میں یہ روایت عام ہے کہ ناہید کو کھر نے سونے سے لاد دیا تھا ، ان دنوں ناہید کے پاؤں زمین پر نہ لگتے کہ "گھر والا" پنجاب کا حاکم بن گیا تھا ۔ وہ چھن چھن کرتے ہوئے کہنیوں تک سونے کے چوڑے پہنتی اور ملنے جلنے والیوں کے استفسار پر کہتی' انہیں کام سے فرصت ملے تو ادھر آئیں ، ناس مار اینی ، سارا ملک تباہ کر گیا ہے ۔"

ناہید نے کچھ عرصہ بعد "معیارِ زندگی" بلند کرتے ہوئے یہ علاقہ ہی چھوڑ دیا اور پرائیویٹ کوٹھی لے کر باہر منتقل ہو گئی ، انہی دنوں میاں حامد یٰسین اور رؤف طاہر گروپ نے بازارِ حسن میں منڈی جمانا شروع کی ۔ عشرت چوہدری جو آجکل معروف فلمی رقاصہ ہے ان دنوں نئی نئی ابھری تھی ۔ میاں حامد یٰسین نے اپنا طیارہ اس کے گھر لینڈ کیا اور پھر یہاں پر سیاسی معاملات سے لے کر پولیس افسروں کے تبادلے اور سرکاری ٹھیکوں کے سودے ہونے لگے ۔

ور پیپلز پارٹی والوں کے براہ راست رابطے کو دیکھ کر پرانے کاروباری گھبرائے، ان کی دلالی کا حق چھن رہا تھا، لہذا فلمی رقاصہ چھم چھم اور اس کے بھائی نے فیلڈ سنبھالا اور حکومت میں آنے والے نئے نئے سیاسی افراد کی خدمت کرنا شروع کی۔ چھم چھم یوں بھی کافی روپیہ بنا چکی تھی اور عام مشہور تھا کہ وہ پاکستان سے زیادہ عرب ریاستوں کے بگڑے ہوئے تماش بینوں سے روپیہ جمع کر کے لاتی ہے، اس کاروبار کو "سرکاری تحفظ" دینے کی خاطر اس نے یہاں بھی سرکاری درباری افراد کی خوب خدمت انجام دینا شروع کی، اور یہی وہ فلمی اداکارہ ہے جس کے نقشِ قدم پر بعد میں عالیہ اور بابرہ شریف جیسی معروف فلمی اداکارائیں چلیں، کیونکہ عام مشہور ہو گیا تھا کہ فلم میں بھی اتنا روپیہ نہیں جتنا غیر ملکی دوروں میں ہے، چنانچہ فلم کو محض پبلک ریلیشنز کی خاطر استعمال کیا جانے لگا اور غیر ملکی دورے شروع ہو گئے، کلچر کے نام پر ایک پارٹی تشکیل دی جاتی۔ دو چار تھرڈ کلاس گانے والی طوائفیں، کچھ بھڑوے اور ساتھ میں طبلچی سازندے، کچھ مرچ مصالحے کے لیے کڑیاں پٹڑیاں۔۔۔۔" (صحافت - ۸)

کھر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ فلمی دنیا کی پریوں سے ان کا تعارف عام طور پر زیبا اور محمد علی کی وساطت سے ہوتا تھا، نہ صرف زیبا خود کھر سے قریب تھی، بلکہ وہ سابق گورنر پنجاب کے لیے مخصوص دعوتیں بھی دیا کرتی۔

مشہور ایکٹریس ناہید جس کا ذکر ہم ابھی کر چکے ہیں، کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ ملک صاحب نے اس کے ساتھ باقاعدہ شادی بھی کر لی تھی، لیکن بازارِ حسن کے ساتھ اس کے دیرینہ تعلق کی بنا پر اسے گورنر ہاؤس میں منتقل نہیں کیا تھا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ناہید کے پاس مسٹر بھٹو بھی جایا کرتے تھے، جب بالآخر کھر نے مس شہرزاد کے ساتھ شادی رچالی تو انہوں نے ناہید کے ساتھ شادی کی تردید کی، کہتے ہیں کہ اس تردید بلکہ ٹھکرائے جانے پر ناہید نے بہت واویلا کیا تھا۔ کئی لوگوں کو اس نے بتایا کہ اس کے بطن سے ملک غلام مصطفےٰ کھر کا ایک لڑکا بھی ہے۔ بہر حال کھر کا اقتدار تھا، اسے دھمکا کر خاموش کر دیا گیا۔ مس شہرزاد، جس کے ساتھ اب کھر کی علیحدگی ہو چکی ہے۔ کے ساتھ کھر کی شادی بھی کچھ ایسے ہی حالات میں ہوئی، شہرزاد، پیرزادہ کی بیوی سعدیہ کی رشتہ دار ہے۔

سعدیہ، شہزادؔ، بیگم پارہ اور رخسانہ سلطانہ، وہ عورتیں ہیں جنہیں برصغیر ہند و پاک میں بدکاری، سیاسی اسکینڈلوں اور برائیوں کے اڈوں کے ساتھ خصوصی نسبت میں ایک بین الاقوامی شہرت حاصل ہو چکی ہے، بیگم پارہ (سعدیہ کی بڑی بہن) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب وہ جوان تھی، دنیا اس پر حیران تھی، اس نے اس زمانے میں نیم برہنہ تصویریں بنوائیں اور شائع کروائیں جب فلموں میں ہیروئنیں دوپٹے کے بغیر آنا معیوب سمجھتی تھی، آجکل یہ عورت کراچی میں ہے۔ اپنی اس سالی اور آدھے گھر والی کو پیرزادہ نے چھ لاکھ روپے قومی خزانے سے دلوائے تھے۔ حالانکہ اس کی پاکستانی شہریت بھی متنازعہ ہے۔ رخسانہ سلطانہ اور سنجے گاندھی کے جنسی اسکینڈل تو ہر شخص جانتا ہے۔ رخسانہ سلطانہ ہی اندرا سنجے کے زوال کا باعث بنی تھی۔

جہاں تک شہزادؔ کا تعلق ہے کھرؔ کے گھر میں آنے سے پہلے وہ ایک پرائیویٹ کلینک میں استقبالیہ کلرک تھی۔ ایک دفعہ کھرؔ کسی شریف لڑکی کے تعاقب میں اس کے بنگلے میں جا گھسے تھے، جہاں اس لڑکی کے غیرت مند فوجی بھائیوں نے کھرؔ کی اچھی طرح مرمت کی۔ تب وہ وہاں سے بھاگ کر ایک قریبی کلینک میں پناہ گزین ہوئے، جہاں شہزادؔ نے ان کی آؤ بھگت کی، یہیں سے دونوں کے درمیان رومانس کا آغاز ہوا۔ جب شہزادؔ سے کھرؔ نے بے تکلفی کی کوشش کی تو اس نے پہلے شادی کی شرط پیش کی، بالآخر حفیظ پیرزادہ کے توسط سے یہ شادی ہو گئی۔ کھرؔ کے زوال کے ساتھ ہی بیگم شہزاد کھرؔ بھی ان سے علیحدہ ہو گئیں۔ شاید انہیں کھرؔ کا ہرجائی پن پسند نہ آسکا۔ سعدیہ کو بھی پیرزادہ سے یہی شکایت رہی لیکن وہ کسی نہ کسی طرح نبھائے جا رہی ہیں۔ جتوئی کی بیوی ماریا برداشت نہ کر سکی تو روٹھ کر چلی گئی اور لندن میں ایک اور شخص کے ساتھ رہنے لگی۔

اپنی گورنری کے زمانے میں کھرؔ بازار حسن کے علاوہ لاہور کے شریف گھرانوں کی لڑکیوں کو بھی اپنے دام میں لانے کی کوشش کرتے رہے۔ ایک لاہور کے کالج کی چند لڑکیاں اغوا ہونے کا واقعہ پیش آیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ لڑکیاں جن کا تعلق ایک شریف خاندان سے تھا، کھرؔ نے ہی اٹھوائی تھیں، بعد میں جب لاہور کے عوام نے احتجاج کیا، اخبارات نے بھی شور مچایا، تو انکشاف اور بدنامی کے ڈر سے اس نے وہ لڑکیاں واپس کر دیں اور ظاہر کیا کہ قبائلی علاقے سے واپس منگوائی گئی ہیں، حالانکہ شیرپاؤ وزیر اعلیٰ

سرحد نے اس امر کی تردید کی تھی کہ لڑکیاں قبائلی علاقے میں بھیجیں۔

" کھر کے زمانے کا ایک واقعہ گنگارام ہسپتال میں کام کرنے والی ایک خوبصورت لیڈی ڈاکٹر کے استعفیٰ کا ہے۔ اس لیڈی ڈاکٹر کی حد سے بڑھی ہوئی خوبصورتی اور جوانی اس کے لیے مصیبت بن گئی۔ کھر خوبصورت عورتوں کے اتنے ہی دلدادہ تھے جتنے کہ ممتاز اور جتوئی۔ کھر نے اس لیڈی ڈاکٹر کو پہلے تو طرح طرح کے لالچ دیئے، اس پر بھی اس نے کھر کے کہنے میں آنے سے انکار کر دیا تو اس کو ہسپتال کی انتظامیہ کے ذریعے اور بعض اوقات اپنے پالتو غنڈوں کے ذریعے طرح طرح سے تنگ کرنا شروع کر دیا، بالآخر وہ شریف خاتون اس قدر پریشان ہوئی کہ اس نے نوکری سے ہی استعفیٰ دے دیا۔ کہتے ہیں کہ اس لیڈی ڈاکٹر پر بھٹو کے بھی دانت تھے لیکن وہ کسی کے قابو میں نہ آئی ______"

لاہور اور پنجاب کی خوش قسمتی تھی کہ یہاں کھر جیسے غنڈوں کا راج محدود عرصے کے لیے قائم رہا۔ حنیف رامے کے زمانے میں پنجاب کی حکومت کے حلقوں میں شرافت کا دور شروع ہوا ہی تھا کہ پھر صادق قریشی آن پہنچے اور عیاشی کا بازار گرم ہو گیا۔ عام طور پر یہ عیاشیاں مسٹر بھٹو یا ان کے کسی وفاقی وزیر کے اعزاز میں منعقد ہونے والی مخصوص محفلوں تک محدود ہوتی تھیں۔ عام غنڈہ گردی اور شرفا کی بیٹیوں پر حملوں کا جو سلسلہ کھر کے زمانے میں جاری تھا اور جس سلسلے کو سندھ میں جتوئی نے برقرار رکھا ہوا تھا باقی نہ رہا۔

پنجاب کابینہ کے وزیر بھی سندھی کابینہ کے مقابلے میں بہت زیادہ "ترقی پسند" واقع نہ ہوئے تھے ان میں خالد ملک، شیخ رشید، نصراللہ دریشک اور افضل وٹو وغیرہ کے بارے میں کہانیاں مشہور ہوتی رہیں۔ بعض وزیر بازار حسن، ہیرا منڈی کی سرپرستی بھی کیا کرتے تھے۔ دریشک اور سردار سلطان کا سکینڈل بھی کئی دن تک مشہور رہا۔ بعض افسروں نے اس سلسلے میں "دلال" کا کردار ادا کیا تھا۔ مجموعی طور پر، کھر کے زمانے میں پنجاب میں جس اخلاقی کرپشن کا سیلاب تھا بعد میں اس کی صرف لہریں ہی محسوس ہوتی رہیں، کھر کے وزیر بھی خاصے رنگین طبع واقع ہوئے تھے۔ ان میں مختار اعوان جیسے بھی تھے جنہوں نے نئی شادیاں کیں۔ یہاں تک کہ اخبار کی لیڈی رپورٹر کو دام میں پھنسا کر شادی رچالی۔

سابق وزیرِ اعلیٰ پنجاب صادق حسین قریشی ایک متمول زمیندار کے پسِ منظر کی وجہ سے عیاش تھے۔ چیف منسٹر ہاؤس میں سوئمنگ پول کی عیاشیوں اور شراب نوشی کی کہانیاں بعض اخبارات میں چھپتی رہی ہیں۔ ملتان میں ان کی کوٹھی مشہور و معروف "وائٹ ہاؤس" میں "بار" موجود ہے، بھٹو کو یہ بار اور یہاں مہیا ہونے والا عیاشی کا سامان بہت پسند تھا۔ وہ ہمیشہ ملتان میں صادق قریشی کے ہاں ٹھہرتے تھے، جہاں ایک روایت کے مطابق ان کی خدمت میں ملتان کا چیدہ چیدہ حسن پیش کیا جاتا۔ اس میزبانی کا یہ صلہ تھا کہ انہیں کھر اور رامے کی جگہ پنجاب کا حاکم مقرر کیا گیا تھا۔

بھٹو کے دور کے رنگیلے وزیروں کا تذکرہ ہو اور غلام مصطفےٰ جتوئی کی بات نہ ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ہے۔ جتوئی آغاز میں بھٹو حکومت میں مرکزی وزیرِ مواصلات تھے بعد میں ممتاز بھٹو کی جگہ سندھ کے وزیرِ اعلیٰ بنے۔ کہتے ہیں کہ بھٹو اور جتوئی کے درمیان ویسے بھی انتہائی قریبی تعلق پایا جاتا تھا۔ یہ تعلق یا بے تکلفی اس زمانے سے موجود تھی جبکہ دونوں ابھی برسرِ اقتدار نہیں آئے تھے۔

جتوئی کو اس دن بہت خوشی ہوئی تھی جب انہیں سندھ کا وزیرِ اعلیٰ مقرر کیا گیا تھا، اب وہ مستقل طور پر کراچی میں رہنے لگے تھے جہاں انہیں ہر قسم کی عیاشی فراوانی سے میسّر آ سکتی تھی، جتوئی کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ وہ کراچی کے بدنام "کی کلب" کے سرگرم رکن اور سرپرست تھے، ان کی اکثر راتیں اسی کلب کے کسی کمرے میں کسی "اجنبی حسینہ" کی آغوش میں گزرتی تھیں۔

(یہ خبر ملاحظہ کیجیے)

"سابق عوامی حکومت میں سندھ کے سابق وزیرِ اعلیٰ جتوئی صاحب بڑھیا شراب اور خوبصورت عورتوں کی قدر کرنے میں جنرل یحییٰ خاں سے کچھ کم نہ تھے۔ کے ڈی اے ون سکیم کی خوبصورت و عالی شان بنگلے میں رہنے والی "کی کلب" کی ہیروئن، خوبصورت، دبلی پتلی نازک اندام ایک ٹی وی آرٹسٹ سابق وزیرِ اعلیٰ جتوئی کی پسندیدہ محبوبہ تھی اور ان کی اکثر راتیں اپنی محبوبہ کے بنگلے پر ہی گزرا کرتی تھیں۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جتوئی صاحب رات کی تنہائی میں چیف منسٹر ہاؤس میں متعیّن سیکورٹی کے عملہ سے آنکھ بچا کر تنہا کار چلاتے ہوئے اپنی محبوبہ کے گھر پہنچ جایا کرتے تھے اور صبح سویرے واپس آ جایا کرتے تھے۔ چیف منسٹر ہاؤس میں متعیّن سیکورٹی کے عملے کو جب یہ پتہ چلتا کہ جتوئی صاحب گُم ہو گئے ہیں تو وہ پریشانی

کے عالم میں ان کو تلاش کرنے کے لیے چاروں طرف نکل پڑتے تھے، ایک مرتبہ جب جتوئی صاحب رات کے پچھلے پہر اپنی محبوبہ کے گھر جا رہے تھے تو سیکورٹی کے عملے نے ایک جیپ پر سوار دو کانسٹیبلوں کو ان کے پیچھے روانہ کر دیا، مگر جتوئی صاحب کو ان کے تعاقب کا علم ہو گیا۔ انہوں نے اپنی کار روک کر جیپ میں آنے والے سپاہیوں کو ڈانٹ کر واپس کر دیا۔ معلوم ہوا ہے کہ خوبصورت اور پرکشش چہرہ رکھنے والی یہ ٹی۔ وی آرٹسٹ ایک عدد لڑکی کی ماں بھی ہے اور "کی" کلب کی سرگرم رکن۔ اسے اس کلب کی ہیروئن بتایا جاتا ہے۔ کلب کے اجلاس عام طور پر اس کے گھر میں ہوتے تھے۔ اس کھیل میں شریک ہونے والے ممبر حضرات اپنی عورتوں کے ساتھ اس کے بنگلہ میں مختلف کمروں میں بھیج دیئے جاتے تھے۔ تمام کمروں کی چابیاں ڈرائنگ روم میں لا کر ایک میز پر پھینک دی جاتی تھیں اور جس فرد کے ہاتھ میں جس کمرے کی چابی آتی تھی وہ کمرہ اور اس میں موجود عورت رات بھر کے لیے اسی کی ملکیت ہوتی تھی، یہ ٹی وی آرٹسٹ سندھ کے ایک سابق وزیرِ اعلیٰ ممتاز علی بھٹو کی منظورِ نظر رہ چکی ہے، مگر ممتاز بھٹو کے پاس اسے جانا پڑتا تھا جبکہ جتوئی اس کے اتنے شیدائی تھے کہ خود اس کے پاس جایا کرتے تھے اور انہوں نے اپنی محبوبہ کو خوش کرنے کے لیے جیکب لائن کے قریب ایک سینما کا پلاٹ بھی دیا تھا جسے بعد میں چند جاسوسوں کی شکایت پر سابق وزیرِ اعظم بھٹو نے کینسل کر دیا تھا، یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ممتاز علی بھٹو، جتوئی صاحب سے اس بات پر ناراض تھے کہ انہوں نے ان کی منظورِ نظر کو ان سے چھین لیا ہے۔ سابقہ حکومت کے دور میں یہ عورت "اتنی خوبصورت" اتنی مضبوط تھی کہ اس زمانے میں جب شام کے ایک انگریزی اخبار نے "کی کلب" کا اسکینڈل چھاپا تو جتوئی صاحب نے اس کے ایڈیٹر اور رپورٹر کو بلا کر خود ڈانٹا تھا اور آئندہ "کی کلب" سے متعلق کوئی خبر نہ چھاپنے کی ہدایت کی تھی، "کی کلب" کی ہیروئن کو اپنے گھر میں وی سی آر پر انڈیا کی فلمیں دیکھنے کا بہت شوق تھا، اور اس کے گھر میں جب فلم شو ہوتا تھا تو شہر کے "شرفا" کی ایک بڑی تعداد تماشبین ہوتی تھی۔

(روزنامہ آغاز کراچی، ۱۳ر ستمبر)

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جتوئی اپنے دورِ اقتدار میں، خوبصورت خواتین کو روپے پیسے سے لے کر پلاٹوں اور ٹھیکوں سے نوازنے میں بھی ممتاز بھٹو سے کہیں زیادہ فراخدل تھے، ممتاز بھٹو، عورتوں کو

اپنے پنجے میں لانے کے لیے بعض اوقات اقتدار اور بھٹو کے ساتھ رشتے داری کا رعب بھی استعمال کرتے تھے، شاید یہی وجہ تھی کہ جن عورتوں سے ان کے تعلقات کبھی بہت قریبی تھے۔ اقتدار ختم ہوتے ہی ان عورتوں نے ممتاز بھٹو کی طرف رُخ کرنا بھی گوارا نہ کیا۔ جتوئی بہرحال ایسے نہ تھے۔ وہ حسن کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے خود پیش قدمی کرنے کے قائل تھے۔ بعض عورتوں کو تو انہوں نے اس قدر نوازا کہ ان کے تمام قریبی رشتہ داروں تک کی قسمت بدل دی۔ ایک مثال اس سخاوت کی نسرین منہاس نامی ایک خاتون اور اس کے رشتے داروں کے نام کراچی میں پلاٹوں کی ہے در یلیغ الاٹمنٹ ہے۔

" سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ غلام مصطفےٰ جتوئی نے ایک خاتون نسرین منہاس اور اس کے لواحقین کو مختلف اسکیموں میں نو رہائشی پلاٹ الاٹ کیے ہیں۔ قاعدہ کے مطابق ایک فرد کو صرف ایک پلاٹ مِل سکتا ہے ۔۔۔۔ لیکن دین محمد نامی ایک شخص کے ذریعے آنے اور جانے والی اس خاتون کو کلفٹن سکیم ۵ کے بلاک ۲ میں ایک ہزار گز کا پلاٹ نمبر ڈی ۴ ۱۰۴ گلشن اقبال سکیم ۲۴ کے بلاک ۴ میں ۶ سو گز کا پلاٹ نمبر سی ۹۶' اور شمالی کراچی کے سیکٹر ۱۱ بی میں ۴ سو گز کا پلاٹ نمبر بی ۱۹۳ الاٹ کیا گیا ہے، اس طرح ایک خاتون کو تین رہائشی پلاٹ اس کی " ذاتی خدمات " کے صلہ میں دیئے گئے۔ ان کے ایک چھوٹے صاحبزادے کو ایک چھ سو گز کا پلاٹ اور دوسرا چار سو گز کا پلاٹ الاٹ کیا گیا۔ نسرین کے خاندان کی ایک خاتون زرینہ منہاس کو تین پلاٹ دیئے گئے۔"

(جسارت ۲۱ اکتوبر ۱۹۷۷ء)

جتوئی ہی کی وزارت کے زمانے میں، جن دنوں جعلی انتخابات کے خلاف کراچی میدانِ کارزار کا نقشہ پیش کر رہا تھا، بھٹو صاحب کراچی آئے تو ان کے اعزاز میں جتوئی نے ایک محفلِ رقص و سرود کا اہتمام بھی کیا تھا۔ اس محفل میں بھٹو سمیت کیا کیا گل کھلائے گئے۔ اس کا اندازہ روزنامہ سیاست مورخہ ۱۳۔ستمبر کی ایک خبر سے کیا جا سکتا ہے:

" یہ دو اور تین اپریل کی درمیانی شب تھی جب کراچی ہنگاموں کی لپیٹ میں تھا۔ لوگوں کو نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کا مطالبہ کرنے کے جرم میں لاٹھیوں اور گولیوں کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ سندھ کابینہ کے بائیس ارکان نے عہدوں کا حلف اٹھایا تھا، خواتین کا سندھ اسمبلی کے باہر مظاہرہ ہو چکا

تھا۔ کراچی میں کرفیو نافذ تھا۔ فاتح مغربی پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کراچی پہنچ چکا تھا، دورِ جدید کے اس چنگیز خاں کے اعزاز میں محفلِ شباب وشراب کا انتظام کیا گیا، میزبانی غلام مصطفےٰ جتوئی کے سپرد تھی، دوسرے افراد میں پیرزادہ، جام صادق علی اور کئی دوسرے اہم افراد شریک تھے، پُراسرار شخصیت، ڈاکٹر آغا ریاض بھی اس تقریب میں اپنی حسین وجمیل بیوی نسرین کے ساتھ موجود تھے۔ بیش قیمت شراب، خوبصورت اور نوجوان مادر زاد ننگی لڑکیاں، اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سربراہ کے حضور پیش ہیں، جی بھر کے شراب کے جام انڈیلے جاتے ہیں اور دادِ عیش دی جاتی ہے، رات گزرنے کے ساتھ ساتھ محفل گرم ہوگئی، تو بات جام پینے سے چھیڑ خانی اور رقصِ ابلیسی تک پہنچ گئی۔ شرم وحیا سے عاری اس محفل میں تمام لوگوں نے کپڑے اتار رکھے تھے اور یوں تمام ننگِ انسانیت اس حمام میں ننگے ہوگئے تھے۔ برہنہ رقص کا دور ختم ہوا تو جنس کے مارے سوئمنگ پول میں کود گئے۔ مار دھاڑ، چھینا جھپٹی کے اس عالم میں نسرین کا سر سوئمنگ پول کی ایک دیوار سے ٹکرایا اور وہ پانی میں ڈوب گئی۔ جب کافی دیر گزری تو سب کو تشویش ہوئی اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی گئی مگر بے سود، جتوئی مصیبت میں گرفتار ہوگیا۔ فوراً سول ہسپتال ٹیلی فون کیا۔ ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر انند کمار نے ریسیور اٹھایا۔ جتوئی نے حکم دیا کہ فوراً ایک ایمبولینس چیف منسٹر ہاؤس بھیج دی جائے، فوراً ہی وزیر اعظم کے اعزازی معالج ڈاکٹر پروفیسر مشتاق اور ڈاکٹر خواجہ معین بھی ساتھ گئے۔ وہاں دیکھا کہ چیف منسٹر ہاؤس میں، بال بکھرے، جسم پر ہاتھوں کے تازہ نشان، پانی سے بھیگا بدن، چہرے پر خون جما ہوا ہے۔ ایک بیڈ پر بیہوش خاتون پڑی ہے۔ اس کا ننگا جسم پوری داستان سنا رہا ہے۔۔۔۔ اب اہلِ کراچی کے لیے یہ بات راز نہیں کہ جب غریب عوام پر گولیاں برس رہی تھیں۔ سندھ کا چیف منسٹر ہاؤس راجہ اندر کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔

______ جتوئی کی دوسری بیوی ماریا (جس کی ماں جرمن تھی) کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ پہلے مسٹر بھٹو کی منظورِ نظر رہ چکی تھی اور غالباً جتوئی کے ساتھ شادی کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ ماریا ابتدا میں ایک ایئر ہوسٹس تھی۔ گذشتہ سال جولائی میں جب ماریا لاہور سے کراچی گئی تو اس کے بیڈ روم میں اس کا شوہر ایک ماڈل گرل عتیقہ حنا ئے کے ساتھ دادِ عیش دے رہا تھا۔

اپنے حق پر یہ دن دہاڑے ڈاکہ دیکھ کر ماریا یہ کہہ کر گھر سے باہر نکل گئی : "تم عتیقہ کو بیڈ روم میں لا سکتے ہو تو میں پیر بھائی (سابق چیئرمین بنکنگ کونسل) کو اپنے بیڈ روم میں لا سکتی ہوں۔ پھر وہ پیر بھائی کے ساتھ برطانیہ چلی گئی۔

عتیقہ چنائے کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ سابق گورنر پنجاب جناب عباسی کی بہن ہے، جس کی تربیت خالص مغربی ماحول میں ہوئی۔ کراچی میں اس نے چنائے نامی ایک شخص سے شادی کر لی تھی اور خاوند کو اس کی "آزادی" پر کبھی اعتراض نہیں ہوا۔

عتیقہ چنائے الیکٹرانک۔ وی اشتہاروں میں مختصر لباس میں آتی ہے۔ عتیقہ کے علاوہ جتوئی کراچی کی خوبصورت ترین شمعِ محفل اور کاک ٹیل پارٹیوں کی زینت، مسز رضیہ میں بھی دلچسپی لیتا رہا ہے۔ جتوئی نے مسز رضیہ کو نوازنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی، مسز رضیہ کے علاوہ روزنامہ سیاست کی اطلاع کے مطابق جتوئی کی نوازشات کا مرکز ایک تاجر مسٹر بصیر کی خوبصورت بیوی منیزہ بصیر بھی رہی ہے۔ مسٹر بصیر ایک معمولی تاجر تھا لیکن آج وہ ایک کروڑ پتی کاروباری ہے۔ وہ جو کچھ بھی ہے اپنی حسین و جمیل بیوی کی بدولت ہے۔ کے ڈی اے سکیم نمبر ا میں منیزہ بصیر کے وسیع و عریض طرز کے بنگلے ہیں۔ شہر کے تین خوبصورت ترین بار بنے ہوئے ہیں جہاں دنیا بھر کی ہر عمدہ شراب مل سکتی ہے۔

جتوئی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا شمار بھٹو کی خانہ زاد کابینہ میں ہوتا تھا یعنی کہ وہ بھٹو کے سیاہ و سفید کارناموں کے رازدار اور امین تھے۔ وہ بھٹو کی انتہائی پرائیویٹ اور نجی محفلوں میں شرکت کرتے تھے۔ بعض لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ مصطفےٰ جتوئی کی بیوی "ماریا" کے ماضی کی بنا پر دونوں یعنی بھٹو اور جتوئی کی عائلی زندگیاں مشترک تھیں۔

جتوئی، ممتاز بھٹو کی طرح جارح نہ تھے، وہ رنگین طبع تھے مگر زبردستی کے قائل نہ تھے۔ رات کے سناٹے میں، خون کی حرارت، جو شراب نوشی کا نتیجہ ہوتی تھی سے مجبور ہو کر وہ پی ای سی ایچ ناظم آباد اور ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کے ان خوبصورت بنگلوں کا رُخ کرتے جہاں حسن و شباب ان کے استقبال کے لیے منتظر ہوتا تھا۔ صبح سورج کے طلوع ہونے سے پہلے وہ واپس چیف منسٹر ہاؤس میں پہنچ جاتے۔

جتوئی عام طور پر "جنس و جذبات" کے بے لگام اظہار کو پسند کرتے تھے، وہ عورتوں کے سوشلزم کے علمبردار تھے۔ اپنی نجی محفلوں میں وہ عورتوں کو مردوں کی مشترک ملکیت قرار دینے کی باتیں کرتے تھے۔ جتوئی کے دور میں کراچی میں عیاشی اور فحاشی کو ایسا فروغ حاصل ہوا کہ یہ شہر اس سلسلے میں پیرس اور نیویارک کو پیچھے چھوڑ گیا۔ عریانی، فحاشی، عصمت فروشی کی حوصلہ افزائی ہوئی، ننگی فلموں کا کاروبار ترقی کرنے لگا، نئی نسل کے اخلاق بگڑتے چلے گئے۔ آج کل کراچی میں ایسے خفیہ البم ہاتھوں ہاتھ بک رہے ہیں جن میں جتوئی اور دیگر عیاش وزراء کی جنسی سرگرمیوں اور مختلف عورتوں کے ساتھ جنسی اختلاط کے متنوع مناظر پر مشتمل ننگی تصویریں ہوتی ہیں "بد کی کلب" کی جنسی سرگرمیوں کی تفصیلات پر مشتمل کتابچے بھی عام بک رہے ہیں۔ یہ تھے وہ وزیر جو عوام، عوام کی رٹ لگاتے تھے اور عوام ہی کی بیٹیوں اور بہنوں کی عصمت کے ساتھ کھیلتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ قوم کی تمام خوبصورت لڑکیاں اور عورتوں پر صرف ان کا حق ہے جو خود کو "جنسی ہرکولیس" سمجھے ہوئے تھے۔

سندھ کی سابقہ صوبائی کابینہ کے مستقل وزیر، جام صادق علی کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ نہ صرف خود خوبصورت لڑکیوں کے شوقین تھے بلکہ ایسی لڑکیوں کی سپلائی کا کام بھی کرتے تھے۔ یہ کہنا شاید زیادہ درست ہو کہ وہ سندھ اور کراچی میں بدکار عورتوں کی سپلائی اور شریف گھرانوں کی عورتوں کو بدکار بنانے کے کاروبار کے سب سے بڑے ٹھیکیدار تھے۔ کہنے کو وہ وزیر بلدیات اور لوکل گورنمنٹ تھے، لیکن حقیقت میں وہ سندھ کے شہروں کی عورتوں اور لڑکیوں کو "کرپٹ" بنانے کی سرکاری مہم کے انچارج تھے۔ آج کراچی اور سندھ کے دیگر مختلف شہروں میں جام صاحب کے ظلم و ستم کی کہانیاں ہر شخص کی زبان پر ہیں۔ ظلم کا دور لد جانے کے بعد ان اوباش وزیروں کے بارے میں ایسے ایسے انکشاف ہو رہے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ سب سے زیادہ تعجب ان لوگوں کی جرأت اور دلیری پر ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو دن دہاڑے ملک اور قوم کو لوٹنے کے ساتھ ساتھ اسے کرپٹ بھی کر رہے تھے، لیکن کوئی انہیں روکنے والا نہیں تھا۔ جام صادق علی وہ شخص تھا کہ جو کنگلا ان کے ایک بار قریب آیا وہ خوشحال ہو گیا، اگر کوئی خوشحال ان کے پاس گیا تو وہ

کروڑپتی بن کر نکلا۔ یہ کام وہ "ففٹی ففٹی" کی بنیاد پر کیا کرتا تھا ۔۔۔ جام صادق نے کراچی ڈیولپمنٹ، اتھارٹی کو دیوالیہ کر دیا تھا، کراچی میونسپل کارپوریشن کا سرمایہ اس نے ڈکار لیا تھا، ان کی زمینوں کو اس نے اونے پونے بیچ ڈالا۔ کراچی میں کے ڈی اے کے پلاٹوں کا اسکینڈل جس میں جام صادق نے کروڑوں کمائے، مشہور واقعہ ہے۔

دولت اور حرام کی کمائی کے ساتھ ساتھ جام صاحب کو معصوم لڑکیوں کی عصمت دری کا بھی بڑا شوق تھا۔ کنواریوں کو خرید کر ان سے "ریپ" کرنا ان کا مشغلہ تھا۔ شراب نوشی ان کی عادت تھی۔" جام صادق علی نے شراب نوشی کی ایک مجلس میں ایک ٹھیکے کی نیلامی اس طرح دی کہ جو شخص دس خوبصورت کنواری لڑکیاں بیک وقت انہیں پیش کر دے گا، وہی ٹھیکے کا مستحق ہوگا ... زر کے شیدائی اس مطالبے پر اس طرح لپکے جیسے مکھیاں شہد پر۔ کروڑوں کا معاملہ تھا۔ غریب پرور پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت میں غریب لوگوں کی عزت خریدنا کون سا مشکل کام ہے ... سودا پٹ گیا ... جس کاروباری نے حامی بھری تھی، جام صادق علی نے اسے بلایا اور کہا: میں پیشہ ور لڑکیوں کی بات نہیں کر رہا ... ہر لڑکی شریف گھر سے ہونی چاہیئے ... اور سو فیصدی غیر شادی شدہ۔ اس پر وہ کاروباری بغلیں جھانکنے لگا ... پھر کہنے لگا سائیں، یہ تو بہت مہنگا سودا ہے۔ حساب لگائیں کہ ایسی دس لڑکیاں اگر اس بازار سے آئیں کم از کم پچاس ہزار فی لڑکی خرچ اٹھے گا۔ دس کی بجائے دو ایک سے کام نہیں چل سکتا؟" (ہفت روزہ صحافت - ۸)

جام صادق جو آجکل غالباً برطانیہ میں مقیم ہیں اور مارشل لاء کے نافذ ہوتے ہی ملک سے کس طرح فرار ہو گئے، کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بھٹو کی نجی زندگی میں کافی دخیل تھے۔ یہ بھی کہا جاتا کہ خود بھٹو کی تیسری بیوی حسنہ شیخ کے ساتھ بھی جام صادق کے مراسم نہایت دوستانہ تھے۔ کہا جاتا ہے جام صادق، مدتوں پہلے جب بھٹو صرف وزیرِ خارجہ تھے۔ ان کے لیے خوبصورت لڑکیوں کے تحفے پیش کرتے تھے اور اس سلسلے میں بھٹو صاحب جام صادق کے ذوق کو خوب سراہا کرتے تھے۔ نالے والے تالاب کی طرف چلیں تو معروف فلم ایکٹریس ناولٹی سینما (لاہور) کے ساتھ ساتھ پانی والے

نجمہ کا گھر آتا ہے۔ نجمہ آجکل بے شمار فلموں میں ہیروئن آرہی ہے۔ اس لیے یہ گھر کرایہ پر دے کر گلبرگ منتقل ہوگئی ہے۔ اس گھر میں عارفہ رہتی ہے جس کا دعویٰ ہے کہ اسے بہ نفسِ نفیس پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر بھٹو کی خدمت کا موقع مِل چکا ہے۔ عارفہ ایک زمانے میں حیدرآباد رہتی تھی۔ وہاں ایک ہوٹل کا افتتاح ہوا تو اسے رقص کے لیے لے جایا گیا، ان دنوں عارفہ پر جوبن پھٹا پڑتا تھا۔ رقص کے دوران وزیر خارجہ بھٹو بھی موجود تھے۔ پروگرام ختم ہوا تو نواب جام صادق علی نے انہیں چار لڑکیوں کے ساتھ منتخب کر کے سیاہ رنگ کی مرسیڈیز میں شہر کے مضافات میں واقع اپنے محل میں لے گئے جہاں سابقہ وزیرِ خارجہ مسٹر بھٹو موجود تھے۔

عارفہ اور بھی کئی داستانیں بیان کرتی ہے، وہ اس طائفے میں شامل رہی ہے جو کوئٹہ، حیدرآباد اور اسلام آباد میں پی پی کے بعض وزیروں کا دل بہلانے کے لیے جاتا تھا، عارفہ کے بیان کے مطابق پیرزادہ، کوثر نیازی اور ممتاز بھٹو ان مجلسوں میں موجود ہوتے تھے۔ خاص کر پیرزادہ تو اس قدر وجد میں آجاتے کہ خود بھی ناچنے لگتے۔" (ہفت روزہ صحافت۔ ۸)

"جام صادق علی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اکثر دن کو آرام کرتے اور رات کو جاگتے تھے، لیکن قوم کے غم میں نہیں جاگتے تھے۔ ان کے جاگنے کا سبب یہ تھا کہ ان کے بنگلے میں راتیں جوان ہوتی تھیں۔ رات بھر ان کے ہاں خوبصورت لڑکیاں رقص پیش کرتی تھیں، وہ شراب کے جام پر جام چڑھاتے چلے جاتے تھے، پھر انہی میں سے کسی حسینہ کی مرمریں باہوں پر سر رکھ کر سو جاتے تھے —"

"سندھ کے ایک سابق اور بدنام وزیر جام صادق علی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شراب اور شباب کے بڑے عمدہ قدردان تھے، اور دن کا اجالا ختم ہونے کے بعد عمدہ شراب پینا اور خوبصورت لڑکیوں کے ساتھ زندگی کا لطف دوبالا کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا، معلوم ہوا ہے کہ جام صادق علی کے جوان صاحبزادگان بھی ان تفریحات سے فیض یاب ہونے میں کبھی پیچھے نہ رہتے تھے۔ چنانچہ شراب و شباب کی ایک گرم محفل کے دوران جب کسی دوست نے ان کی

ایک خوبصورت گرل فرینڈ کے بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے بڑے حیرتناک لہجہ میں جواب دیا، یار، اباجان اس کو چھوڑیں تو اپنے پلّے پڑے اور یوں ان کے دوست، باپ اور بیٹوں کے درمیان عیاشیوں کے سلسلے میں قائم شدہ مساوات کے قائل ہو گئے۔"

(روزنامہ آغاز کراچی - ۲۱ ستمبر)

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایک مرتبہ جب شہنشاہ ایران، مسٹر بھٹو سے ملنے لاڑکانہ تشریف لائے تھے تو رقص و سرود کی ایک محفل ان کے لیے منعقد کی گئی۔

اس محفلِ کیف و نشاط میں دیگر ناچنے والیوں کے ساتھ، جام صادق علی نے بھی سندھ کا روایتی لباس پہن کر رقص کا مظاہرہ کیا، جسے بہت پسند کیا گیا تھا۔ رقص میں مصروف جام صادق کی تصویریں بعض قومی اخبارات میں شائع ہوتی رہی ہیں۔

سندھ میں جام صادق، مسٹر بھٹو کا سب سے بڑا ایجنٹ تھا، کہا جاتا ہے کہ اصل حکومت سندھ میں، مصطفےٰ جتوئی کی نہیں، جام صادق علی کی ہوتی تھی۔ اپنی بدعنوانیوں کی بنا پر وہ اس قدر بدنام ہو گئے تھے کہ ایک مرتبہ مسٹر بھٹو نے کراچی ایئرپورٹ پر کہا تھا کہ جام صادق تم کہیں مزار قائدِ اعظمؒ کو الاٹ نہ کر دینا، ورنہ میرے پیچھے قوم پڑ جائے گی۔ ان کے خلاف کئی دفعہ انکوائریاں بھی ہوئیں، لیکن بھٹو کی بیوی یا (داشتہ) حسنہ شیخ سے قریبی تعلقات کی بنا پر وہ ہمیشہ صاف بچ نکلتے۔ کہا جاتا ہے کہ سابق وزیر اعظم کی ہدایت پر وہ حسنہ شیخ کی تمام ضروریات کی تکمیل کے ذمہ دار تھے۔ ہر وہ کام جسے کوئی دوسرا باضمیر شخص کرنے سے انکار کر دیتا۔ جام صاحب کی وساطت سے ہو جاتا تھا۔ وہ سندھ میں برائیوں کا سرچشمہ تھے، ممتاز بھٹو کی حکومت کے خاتمے کے بعد جام صادق علی ہی وہ واحد وزیر تھے جو جتوئی کابینہ میں بھی مکمل طور پر بااختیار تھے۔ سندھ حکومت میں انہیں شہنشاہ کا خطاب حاصل تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے دولت لٹاتے۔ بلدیہ کو انہوں نے جاگیر سمجھ رکھا تھا جسے چاہا نکال دیا جسے چاہا رکھ لیا۔

جام صادق علی کا گھر عیاشیوں کا اڈہ تھا۔ جام کے گھر ہزاروں روپے کی شراب روزانہ پی جاتی تھی۔ ایک بار جام صادق علی حیدر آباد آئے۔ انہیں سگار کی طلب ہوئی تو کہتے ہیں کہ سپیشل

گاڑی کراچی بھیجی گئی جہاں سے پانچ سو روپے کے سگاروں کے علاوہ شراب کے دو کریٹ بھی منگوائے گئے۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ وزیر بلدیات کی حیثیت سے اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے پورے کراچی کو بیچ کھایا۔ گندے نالے تک نہ چھوڑے لاکھوں کے پلاٹ ہزاروں میں اپنے دوستوں یا ملنے والی خواتین کو عطا کر دیئے۔

حال ہی میں لاہور کے ہفت روزہ "زندگی" نے مستند ذرائع معلومات کے حوالے سے لکھا ہے کہ کراچی میں اوڈی ہلز کا ایک ایئرکنڈیشنڈ بنگلہ اس کی عیاشیوں کا مرکز تھا۔ ایک بار کے ڈی۔ اے کے ایک اعلیٰ افسر کی لڑکی کالج سے گھر جا رہی تھی کہ جام صادق علی اسے زبردستی اٹھا کر اس بنگلے پر لے گیا۔ اس واقعہ پر کے ڈی اے میں سخت احتجاج ہوا، لیکن بھٹو شاہی کے خوف سے معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

کراچی میں تجارتی مراکز تعمیر کرنے والا ایک ادارہ ہے، جسے "ہلنسا پراجیکٹ" کے نام سے، موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کا مینیجنگ ڈائرکٹر یونس شاہ عرف پیارے میاں نامی ایک مشکوک شخص ہے۔ آجکل وہ کروڑ پتی بن چکا ہے، لیکن پیپلز پارٹی کے عروج سے پہلے وہ ایک معمولی دکاندار تھا جو چھالیہ فروخت کرتا تھا۔ اس نے عوامی وزرا اور خصوصی طور پر جام صادق علی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے وہ طریقہ استعمال کیا جس کی بدولت اس کی طرح متعدد دیگر افراد راتوں رات لکھ پتی اور کروڑ پتی بن رہے تھے۔ اس نے جام صادق علی کے لیے عیاشی کا بندوبست کیا۔ کراچی سے دور ایک سنسان مگر شاداب مقام پر اس نے ایک بنگلہ بنوایا جہاں شراب و شباب کا بڑھیا اہتمام کیا، اس کے بعد اس پر دھن دولت کے دروازے کھل گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے کراچی میں کے ڈی اے کے متعدد پلاٹ حاصل کیے اور تجارتی مراکز کی تعمیر شروع کر دی۔ آج وہ کروڑوں میں کھیل رہا ہے۔ یہ سب کچھ اس نے پیپلز پارٹی کے وزیروں کے پیٹ میں شراب انڈیل کر اور ان کی شامیں رنگین بنا کر حاصل کیا ہے۔

جام صادق علی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کم از کم ایک تہائی کراچی کو بیچ کر کھا گیا ہے۔ اس نے حیدر آباد اور کراچی میں غنڈوں کے دستے ترتیب دیئے جو شریف شہریوں کو تنگ کرتے

تھے، کراچی، سکھر اور حیدرآباد وغیرہ شہروں میں تمام بالا نشین، باتھ پارٹی کے ان وڈیروں کی،
عیاشیوں کے لیے "تازہ مال" کی منڈی بن گئے۔ پہلے یہ طوائفیں سلولائیڈ کا ذوق رکھتی تھیں اور
زیادہ سے زیادہ ایکسٹرا یا کبھی سائیڈ ہیروئن کا چانس زندگی میں مل جاتا تھا۔ اب وہ ہر شب کسی
نہ کسی وزیر کی محفل کی ہیروئنیں بننے لگیں، چاہ بھی زیادہ اور منافع بھی زیادہ —— جام صاحب نے
کراچی اور حیدرآباد کے تمام بے غیرت شہریوں کو راتوں رات مالدار بنا دیا جن کی بیویاں یا بیٹیاں جام
صاحب کی محفل کی ساقی بنیں۔ جام صاحب نے کے ڈی اے اور کراچی میونسپل کارپوریشن کا بجٹ
پانی کی طرح خوبصورت عورتوں پر بہا دیا۔ انہیں اپنے ان کرتوتوں کی سنگینی کا اس قدر احساس تھا
کہ مارشل لاء لگتے ہی کسی نہ کسی طرح سمگلروں کی مدد سے (جنہیں اپنے وقت میں انہوں نے خوب
نوازا تھا) ملک چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ پہلے سنا کہ وہ بھٹو کے حق میں روسی حمایت کے لیے ماسکو گئے
اب معلوم ہوا ہے کہ وہ برطانیہ میں ہیں، جہاں بھٹو کی سیکرٹری نما زعم بیوی حسنہ شیخ پہلے ہی موجود ہے۔
عین ممکن ہے کہ دونوں موجودہ حکومت کے خلاف بیرونی ممالک میں بیٹھ کر کوئی سازش کرنے میں
مصروف ہوں، حسنہ شیخ کے بارے میں سنا ہے کہ وہ مارشل لاء انتظامیہ کو بیرونی دنیا میں رسوا کرنے
کے لیے کوئی اخبار یا میگزین نکالنے پر غور کر رہی ہے، جس میں بھٹو کا پراپیگنڈہ ہو گا۔ جام صادق
بھٹو کا کس قدر بڑا خوشامدی ہے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک بار کسی ہسپتال
کا معائنہ کرتے ہوئے بھٹو نے ایک آلہ جراحی کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ کیا اس سے جام صاحب کی
گردن کٹ سکتی ہے، جام نے فوراً اپنی گردن آگے کر دی۔ جام صاحب کے زمانے میں شہوت،
جنس اور فحاشی کا ایک سیلاب تھا جس نے کراچی کے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

معلوم ہوا ہے کہ سندھ کی سابق کابینہ میں، ممتاز بھٹو یا مصطفےٰ جتوئی کے بیشتر ساتھی، انتہائی
درجہ کے زانی، شرابی اور جواری تھے۔ جام صادق علی کی عیاشیوں کی داستان ہم الگ بیان کر چکے ہیں۔
لیکن اس حمام میں ننگے ہو کر نہانے والوں میں صرف جام صادق ہی نہ تھے، کھٹر اور اظفر وغیرہ بھی تھے۔

سندھ کی کابینہ کے سینئر وزیر اور صوبائی وزیر صحت عبدالوحید کٹپر کے متعلق کہا جاتا ہے
کہ فیملی پلاننگ کی خوبصورت لیڈی ہیلتھ وزیٹروں سے عشق لڑایا کرتے تھے۔ وہ بھی جام صادق

کی طرح شراب و شباب کے بڑے قدر دان تھے ۔ کراچی کے فیشن ایبل علاقے میں رہنے والی،
ملکہ بلتستانی کے ساتھ کھٹپر کے خصوصی قریبی تعلقات کی کہانیاں اس وقت بھی بعض اخباروں میں شائع
ہوئی تھیں جب بھٹو کے گولے کے خوف سے کوئی اخبار ان کے جنسی اسکینڈلوں کے بارے میں
سچی خبریں شائع کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا ۔ ملکہ بلتستانی نے اپنے بنگلے میں شراب خانہ قائم کر رکھا
تھا جہاں کھٹپر اور دیگر اہم لوگ مدعو کئے جاتے تھے ۔ لڑکیاں بھی سپلائی کی جاتی تھیں ، انہی خدمات
کے صلہ میں کھٹپر نے ملکہ بلتستانی کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا ۔

"ملکہ بلتستانی نے پیپلز پارٹی کی حکومت آتے ہی پیپلز پارٹی کی حمایت کا اعلان کر دیا اور خاص
طور پر سینئر وزیر اور صوبائی وزیرِ صحت عبدالوحید کھٹپر سے قریبی تعلقات قائم کر لیے ، جس کے نتیجہ
میں وہ پیتھیڈین کا پرمٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئیں اور اسے نشہ بازوں کے ہاتھ فروخت
کر کے انہوں نے کافی رقم بنائی ۔ ملکہ بلتستانی کے شوہر ایس اے جعفری نے وزیروں اور اعلیٰ
افسروں کی قربت سے فائدہ اٹھا کر ایک ریکروٹنگ ایجنسی کا لائسنس بھی حاصل کر لیا اور سینکڑوں
بے روزگار افراد کو ملازمتیں دلوانے کے بہانے بیرونِ ملک بھجوانے کے نام سے لاکھوں روپے
وصول ۔۔ جب ان کی ریکروٹنگ ایجنسی کی دھاندلیاں منظرِ عام پر آئیں تو ان کا ریکروٹنگ لائسنس
منسوخ کر دیا گیا ۔ ۔ ۔ ۔ سیاست میں آنے کے بعد ملکہ کے حالات تیزی سے تبدیل ہوئے
اور اب وہ ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی میں مقیم ہیں ۔" (روزنامہ آغاز ۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۷۷ء)

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کھٹپر اور سندھ کابینہ کے بعض دوسرے وزیر ، "کی کلب" میں
بھی جایا کرتے تھے اور یہاں منعقد ہونے والی ایک "جنسی گیم" "جنسی کبڈی" میں حصہ لیا کرتے تھے ۔
اس کھیل میں یہ ہوتا تھا کہ آبرو باختہ عورتیں ، مادر زاد ننگی ہو کر قالینوں پر بیٹھ کر ٹیم بنا کر کبڈی کھیلا
کرتی تھیں ۔ ایک طرف ننگی عورتیں ہوتی تو دوسری طرف برہنہ مرد ہوتے تھے ۔ جس مرد کے ہاتھ
جو عورت آجاتی تھی وہ اس کی ہوتی تھی ۔ ان باتوں کی تصدیق اخباروں کی اس خبر سے بھی ہوتی ہے
کہ دو تین ماہ پہلے ، جب پولیس نے ایک سابق وفاقی وزیر کے ملازم کو گرفتار کیا تھا تو اس کے

موجود ایک سوٹ کیس میں اس وفاقی وزیر کی مختلف عورتوں کے ساتھ جنسی فعل پر مشتمل ایک سو سے زائد ننگی عریاں تصاویر برآمد ہوئی تھیں۔ اس طرح ایک سابق سینیٹر اور سابق اسپیکر کے گھر پر پولیس کے چھاپہ کے دوران بھی بے شمار عریاں رسائل اور فحش تصاویر برآمد ہوئی تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ پیپلز پارٹی کے سرکردہ ارکان اور وزرار میں سے کم ایسے تھے جن پر شراب و شباب کے شوق کی تہمت چسپاں نہ ہو سکے، چونکہ ہم یہاں صرف چیدہ چیدہ سابق وزرار کی رنگین مزاجی کا تذکرہ کر رہے ہیں، اس لیے ان سینکڑوں ایم پی اے، ایم این اے اور پارٹی کے چیئرمینوں کی عیاشیوں کی تفصیل بیان نہیں کر سکتے جو اس کاروبار میں کسی بھی ممتاز بھٹو یا کوثر نیازی یا پیرزادہ سے پیچھے نہ تھے۔ ان سب لوگوں کی عیاشیوں اور بدمعاشیوں کا احاطہ کرنے کے لیے کئی جلدوں پر مشتمل بھاری بھرکم انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جیسی کسی کتاب کی ضرورت ہے۔ جناب ظہور الحسن ڈار، ایڈیٹر ہفت روزہ "آثار" لاہور، (۱۳ نومبر ۱۹۷۷ء) نے بالکل صحیح کہا ہے کہ: "یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ پیپلز پارٹی کے جس وزیر کا بھی سوٹ کیس کھولا جاتا ہے اس میں سے کرنسی نوٹوں کے بنڈلوں، شراب کی بوتلوں، خوشبوؤں بھری شیشیوں، داشتاؤں کی عریاں تصویروں، بلیو فلموں، جعلی پاسپورٹوں، کوٹھیوں، زمینوں، پلاٹوں کی رجسٹریوں زیورات کی پوٹلیوں اور کاروں کی ملکیت کے پروانوں کے سوا کچھ برآمد نہیں ہوتا۔ اسی طرح جس عوامی یا انقلابی کا روزنامچہ سامنے آتا ہے، اس میں عموماً یہی اندراجات ملتے ہیں کہ جناب عزت مآب کا تعلق کس نامی طوائف سے تھا یا آپ نے کتنے غنڈے پال رکھے تھے، یا آپ اپنے مخالفوں کو کس طرح مرواتے تھے، یا آپ روزانہ کتنے کرنسی نوٹ جمع کرتے تھے یا آپ دن رات میں کتنی شراب پیتے تھے، یا کون کونسی خوشبوئیں اپنے بیش قیمت لباس پر چھڑکتے تھے۔ یہ روزنامچے ایک جمہوری ملک کے عوامی سیاستدانوں سے کہیں زیادہ ریاست پٹیالہ کے ان درباریوں اور اہلکاروں کے معلوم ہوتے ہیں جو مہاراجہ پٹیالہ جیسے جنسی مریض اور نیم پاگل حکمران کے مصاحبوں کی حیثیت سے شرابیوں، طوائفوں، سازشیوں، قاتلوں، لیٹروں، سمگلروں اور غاصبوں کے رنگ میں رنگے جا چکے تھے۔

حال ہی میں گجرات کی رسوائے زمانہ خاتون اقلیم اختر عرف رانی نے ایک پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ وہ بھٹو اور اس کے تمام وزیروں کی راتوں اور رازوں سے پوری طرح واقف ہے کہ اگر وہ ان رازوں سے پردہ اٹھا دے تو دنیا دنگ رہ جائے۔ رانی نے یہ بھی کہا کہ وہ بھٹو کو اقتدار میں لانے کے لیے ہر طرح کی کاوشیں کرتی رہی تھی اور یہ کہ بھٹو نے اسے وزیر یا گورنر بنانے کا وعدہ بھی کیا تھا، لیکن اقتدار کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی وہ "بے وفا" سب کچھ بھول گیا۔ رانی نے یہ انکشاف بھی کیا کہ وہ ایک سابق صوبائی وزیر (پنجاب) خالد ملک کو مصطفےٰ کھر وغیرہ کے خلاف مفید مواد فراہم کراتی رہی ہے۔

یہ خالد ملک کون تھے؟ پنجاب میں بھٹو کے خاص ایجنٹ، جیسے سندھ میں جام صادق تھے۔ مارشل لا سے پہلے اس صوبے میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ مارچ ۱۹۷۷ء کے الیکشن میں اس کے پاس کروڑوں روپے کے پارٹی فنڈز تھے جنہیں اس نے پانی کی طرح خرچ کیا۔ کہتے ہیں کہ ایوانِ اقتدار میں ان کی رسائی کا باعث ممتاز بھٹو کی سفارش تھی۔ جن کی خدمت وہ انٹر کانٹی نینٹل لاہور کے مشہور کمرے میں (جہاں آفتاب ربانی کی ان سے ملاقات ہوتی تھی) بڑی فراخدلی سے کیا کرتے تھے۔ وہ شاید پنجاب کے ان وزیروں میں شامل تھے جن کے بارے میں ممتاز بھٹو نے آفتاب ربانی کو کہا تھا کہ "تم پنجابی اتنے غیرت مند ہو تو تمہارے پنجابی وزیر مجھے خود عورتیں کیوں پیش کرتے ہیں۔ یہ "خدمت" ہی وہ سیڑھی تھی جس کے سہارے وہ ذوالفقار علی بھٹو کے معتمد اور پنجاب میں ان کے خصوصی ایجنٹ بن گئے۔ اس "خدمت" کے سلسلے میں ان کی دوسری یا تیسری بیوی "سلویہ" نے خصوصی کردار ادا کیا، سلویہ کو اس کے پہلے خاوند مسٹر نعیم نے غالباً شک کے الزام میں طلاق دے دی تھی۔ سلویہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ جوان، خوبصورت اور صحت مند ہونے کے علاوہ، شراب نوشی اجنبیوں سے جلدی گھل مل جانے اور ان کی توقع سے بڑھ کر تواضع کرنے میں بڑی شہرت رکھتی ہے۔ یہی وہ ادا ہے جو ممتاز بھٹو اور ذوالفقار بھٹو دونوں کو بھا گئی تھی اور یہی وہ سبب تھا جو خالد ملک کے عروج اور اس کی دولت کا ذمہ دار تھا۔

پنجاب کے ایک اور وزیر انور عزیز کا ذکر نہ کرنا بڑی زیادتی ہو گی، یہ صاحب پہلے لائیو

سٹاک اینڈ ڈیری ڈویلپمنٹ بورڈ کے مینجنگ ڈائریکٹر تھے، جہاں سے دھاندلیوں کے باعث نکالے گئے۔ بعد میں ان پر مسٹر بھٹو کی نظرِ التفات پڑی، مارچ ۱۹۷۷ء کے الیکشن میں انہوں نے اسے ٹکٹ دیا، وہ ایم این اے ہوئے جعلی قومی اسمبلی کے اور پھر وفاقی وزیر بنے۔ انکی خوبصورت اور ترقی پسند امریکن بیوی نے بھی اقتدار تک پہنچانے میں ان کی کافی امداد کی۔ لاہور میں پیپلز پارٹی (خواتین شاخ) کی سربراہی، ایک بدکردار عورت (جو آجکل تحریک استقلال میں آچکی ہیں) شمیم نیازی کے پاس تھی، یہی وہ خاتون تھی جس نے بدنامِ زمانہ تھنڈر فورسس قائم کی تھی جس میں تین سو کنجریوں کو زنانہ پولیس کی یونیفارم پہنا کر، قومی اتحاد کی حمایت میں مظاہرہ کرنے والی خواتین پر حملہ کرانے کے لیے لایا گیا تھا۔ شمیم نیازی جسے اس کے پہلے خاوند نے بدچلنی کی بنا پر طلاق دے دی تھی، نے اپنے خاوند کو ریلوے میں چوکیدار کی آسامی سے ترقی دلوا کر گریڈ ۱۸ کا افسر بنوایا، ریلوے کی عمارت میں اس کا دفتر عیاشی کا اڈہ بنا ہوا تھا جہاں صوبائی اور بعض مرکزی وزراء عیاشی کے سامان سے لطف اندوز ہونے کیلئے ٹھہرا کرتے تھے، جب ڈاکٹر غلام حسین، مرکز میں ریلوے کے وزیر بنے تو شمیم نیازی نے ان کے اعزاز میں جشن عیش ترتیب دیا تھا۔

یہ انکشاف بھی ہوا ہے کہ پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت میں بعض مرکزی اور صوبائی وزراء نے جو نئی شادیاں کی تھیں وہ بھٹو کے اشارے پر کی تھیں، ان وزراء کو اپنی پہلی بیوی کی موجودگی میں نئی شادیوں پر اس لیے مجبور ہونا تھا کہ ان کی وزارتیں ان کی نئی اور خوبصورت بیویوں کے سہارے قائم رہیں، گھر کے بھیدی بتاتے ہیں کہ بھٹو جس صوبہ کا دورہ کرتا تھا، اس صوبہ کے وزراء اس کی "مہمان نوازی" کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے، یہ مہمان نوازی کیا تھی؟ شراب و کباب کے ساتھ منتخب و حسین عورتوں کی فراہمی۔ سابق وزیر اعظم دن کے اجالے میں سیاسی جوڑ توڑ میں مصروف رہتے تو رات کو وزراء کی مہمانداری کے مزے لوٹتے تھے، بھٹو اور مرکزی وزراء کی خدمت میں "بھینٹ چڑھانے" کے لیے جن عورتوں کو لایا جاتا تھا ان میں بڑے بڑے تاجروں، سیاستدانوں، سرکاری افسروں، قربِ سلطانی کے خواہش مند امیر لوگوں کی بیویاں اور بیٹیاں شامل ہوتی تھیں، ان ترقی یافتہ طوائفوں کو بنا سنوار کر آدابِ شاہی سے آگاہ کرنے کا فرض اس خاص وزیر کی بیوی

کے سپرد ہوتا تھا جسے بھٹو کی شبینہ میزبانی کا اعزاز حاصل ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ بھٹو کی محفل میں باریابی کا شرف صرف ایسی عورتوں کو حاصل ہوتا تھا جو نوجوان، خوبصورت اور صحت مند ہوں، یہی وجہ ہے کہ وزیروں نے نئی شادیاں ایسی خواتین سے رچائیں جو آزاد خیال، آداب مجلس سے واقف، خوبصورت جوان اور عام طور پر پہلے سے ہی ٹرینڈ تھیں۔ جن وزیروں نے اقتدار میں آنے کے بعد نئی شادیاں کیں ان میں مصطفےٰ کھر، افضل وٹو، شیخ رشید، مختار اعوان سر فہرست ہیں۔

پیپلز پارٹی کے وزراء کس حد تک جنسی زندگی کا شکار تھے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ نیشنل فلم ڈویلپمنٹ کارپوریشن کے نام سے ایک ادارہ یوسف بچ کی براہِ راست نگرانی میں قائم کیا گیا۔ نیفڈیک کے ذریعے چار کروڑ روپیہ ایسی فلموں کی درآمد پر ضائع کر دیا گیا جو بالکل غیر معیاری تھیں، دوسری طرف ایک ہمہ وقتی ملازم محض اس "کارِ خیر" کے لیے مقرر کیا گیا تھا کہ وہ مختلف وزراء کے لیے خاص قسم کی لچر، لغو اور جنسی فعل کے برہنہ اور متنوع مناظر پر مشتمل فلمیں درآمد کر کے سنسر سے پاس کرائے بغیر ان کے لیے تسکینِ گناہ کا اہتمام کیا کرے۔ ایسی بے شمار فلمیں غیر قانونی طور پر منگوائی گئیں جو بڑی بڑی مقتدر "توپوں" کو دکھانے کے لیے تھیں۔

نام نہاد "ثقافت" کے فروغ کے لیے پاکستان نیشنل کونسل آف دی آرٹس قائم ہوئی، یہاں ہونے والی بدعنوانیوں کا تصور ہی روح فرسا ہے، قوم کا کروڑوں روپیہ بڑی بے دردی سے بازاری عورتوں کے نازنخروں اور رقص و سرود کی رنگین محفلوں پر ضائع کر دیا گیا۔ ایک مرتبہ وزیر اعظم ہاؤس میں کسی ثقافتی شو کے سلسلے میں کافرستان سے لڑکیاں رقص کے لیے منگوائی گئی تھیں۔ پیرزادہ اور بعض دیگر وزراء کے گھر "کلچرل پروگرام" کی آڑ میں عورتوں کے برہنہ ڈانس منعقد کرائے جاتے تھے۔

پیپلز پارٹی کے بدعنوان اور بدکار وزیروں کی خوشنودی حاصل کرنے اور سروس کیریئر میں نمبر بنانے کی دوڑ میں بعض اعلیٰ افسروں نے جس طرح بے غیرتی اور بے شرمی کا مظاہرہ کیا تھا وہ ایک الگ داستان ہے۔ سندھ میں محکمہ ترقی سیاحت کے سربراہ کی خوبصورت بیوی نسرین کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اس بے غیرت افسر نے اپنی بیوی کی عزت کے ساتھ ساتھ اس کی جان بھی آستانۂ اقتدار پر گروی رکھ دی تھی، جس رات وہ سوئمنگ پول میں جتوئی کے گھر ڈوبتے ڈوبتے بچی، اس کا خاوند

قریب ہی موجود تھا۔ ثمینہ جس کے ساتھ پیرزادہ نے کچھ رنگین راتیں گزارنے کے بعد، بالآخر شادی کرلی ایک اعلیٰ افسر کی خوبصورت بیٹی تھی۔ ان میں سے بعض عورتوں نے قرب سلطانی کے نتیجے میں اپنے آفیسر خاوندوں کے لیے ترقی اور عروج کے بند دروازے کھولے اور وہ دروازے دراصل ان خوابگاہ میں کھلتے تھے۔ بھٹو حکومت کے آخری ایام میں سنسر بورڈ میں ایک "لائق خاتون" کو بھی رکن نامزد کیا گیا تھا۔ اس خاتون کو بھٹو حکومت میں وسیع رسوخ حاصل تھا۔ اس رسوخ کی بدولت اس نے اپنے شوہر کو بڑی تیزی سے ایک بہت بڑے محکمے کا سیکرٹری بنوایا۔ "یہ خاتون سرکاری حلقوں ہی میں نہیں سفارتی حلقوں میں بھی خاصی مقبول ہیں، ان کے بارے میں گفتنی و ناگفتنی بہت کچھ کہا جا رہا ہے، لیکن ایک واقعہ خاص طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ نومبر ۱۹۷۶ء میں جب اسلام آباد میں مقیم ایک سفارتی نمائندہ کو الوداعی ڈنر دیا گیا تو اس ڈنر میں چھ سات پاکستانی افسر بھی شریک ہوئے ان میں یہ خاتون اور ان کے شوہر بھی موجود تھے۔ ڈنر رات گئے تک جاری رہا اور اس میں وہ سب کچھ ہوتا رہا جو ایسے مخصوص ڈنر کلب میں ہوا کرتا ہے، چنانچہ دوسری صبح اس رخصت ہونے والے سفارتی نمائندہ کے البم میں جن تصاویر کا اضافہ ہوا ان میں ایسی تصاویر بھی تھیں جن میں یہ خاتون نشہ کے عالم میں بعض سفارتی نمائندوں کے بازوؤں میں جھوم رہی تھیں اور ان کے شوہر نامدار دور کھڑے رفتہ از سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ (ہفت روزہ چٹان، لاہور یکم اگست ۱۹۷۷ء)

بعض ایسی خواتین بھی تھیں جو اپنی کسی لیاقت کی بنا پر نہیں بلکہ "حسنِ خداداد" کی بدولت نچلی سطح سے پرواز کر کے اونچے عہدوں پر پہنچ گئیں۔ پنجاب سیکرٹریٹ میں مسز نسیم اولک کے ڈپٹی سیکرٹری مقرر ہونے کی مثال اس ضمن میں پیش کی جا سکتی ہے۔ یہ خاتون کسی اسکول میں استانی تھیں لیکن پراسرار وجود کی بنا پر اتنی تیزی سے ترقی کی کہ انیسویں گریڈ میں ڈپٹی سیکرٹری بنا دی گئیں۔ ان دنوں پنجاب کے وزیرِ تعلیم ملک غلام نبی تھے، ملک صاحب نے یہ محکمہ اپنی پسند سے لیا تھا، ملک صاحب کو استانیوں اور لیڈی لیکچراروں کے جھرمٹ میں گھرا رہنا بہت پسند تھا، ملک صاحب کے زمانے میں لاہور کے زنانہ کالج بدکاری اور عیاشی کے اڈے بن گئے۔ ایسی لیکچراروں کی ہمت افزائی

ہوئی جو پیپلز پارٹی کے بڑوں کو کالج کی لڑکیاں سپلائی کرتی تھیں۔ لاہور ویمن کالج میں اس سلسلے میں ایک منظم گروہ سرگرم تھا۔ لاہور کے نیشنل کالج آف آرٹس کے پرنسپل سمیت بعض لیکچراروں کو جنسی سرگرمیوں اور ایک معصوم لڑکی کو "ریپ" کرنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ یہ سب کچھ ایک عیاش صوبائی وزیر تعلیم کے زمانے میں ہو رہا تھا۔

پیپلز پارٹی کے ایک وزیر عبدالستار گبول نے کراچی میں لیاری کے علاقے میں عیاشی اور بدمعاشی کے اڈے قائم کر رکھے تھے۔ اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ عبدالستار گبول نوجوان لڑکیوں کو نوکریوں اور ملازمتوں کا لالچ دے کر اپنی رہائش گاہ پر بلاتا ہے۔ جہاں ان لڑکیوں کی عزت لوٹ کر انہیں گھر واپس بھیج دیا جاتا تھا۔ عبدالستار گبول پر یہ الزام بھی ہے کہ وہ اس علاقے میں منشیات کے بدنام اڈوں کی سرپرستی بھی کرتا تھا۔

پیپلز پارٹی کے کس کس وزیر کی عشرت سامانیوں اور عیاشیوں کا تذکرہ کیا جائے۔ وہاں تو "ہمہ خانہ آفتاب است" والی بات تھی۔ بڑی بڑی توپوں کے علاوہ جن کا ہم نے اس کتاب میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ پیپلز پارٹی کے دیگر ایسے وزیروں میں، جنہوں نے عیاشی اور شراب و شباب کے سلسلے میں رسوائی کی "خوبصورت تہمت" اپنے اوپر لی۔ بلوچستان کے غوث بخش رئیسانی سابق گورنر بلوچستان اکبر بگٹی (جو آجکل تحریک استقلال میں ہیں) پنجاب کے رانا محمد حنیف، حفیظ چیمہ، ملک اختر، ایس ایم مسعود، حامد رضا گیلانی، لیسین وٹو، نون، ڈاکٹر غلام حسین، انور عزیز، سندھ کے قاسم پٹیل اور سرحد کے نصراللہ خٹک وغیرہ شامل ہیں۔ پنجابی صوبائی وزراء میں ارشاد، درشک افضل وٹو، کے بارے میں بھی داستانیں مشہور ہیں۔ اکبر بگٹی لاہور کے بازارِ حسن کے ساتھ خصوصی تعلقات بتائے جاتے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ پیسہ عیاشی کی جڑ ہے۔

پیپلز پارٹی کے دور میں ہونے والی عیاشیوں اور بدمعاشیوں کی پوری تفصیل تو شاید پیپلز پارٹی والے خود ہی کبھی بتا سکیں، لیکن اب تک جو کچھ سامنے آیا ہے یا آ رہا ہے وہ اس قدر عجیب اور بھیانک ہے کہ انسان یہ سوچ کر پریشان ہو جاتا ہے کہ یہی وہ جنسی بھیڑیئے اور شیطان تھے جو چھ سال تک ایک اسلامی ملک کی تقدیر کے مالک بنے رہے۔ اس کتاب کے آخری،

باب کا اختتام ہم پیپلز پارٹی کے ایک سابق ایم این اے جناب ڈاکٹر محمود عباس بخاری کے انکشاف میں سے ایک اقتباس کے ساتھ کرتے ہیں جو نوائے وقت میں شائع ہو چکے ہیں۔

"پیپلز پارٹی کے عہدِ اقتدار میں لوٹ مچی ہوئی تھی، صوبائی وزرار اور وفاقی وزرار کے گروپ بنے ہوئے تھے۔ وفاقی وزیر جب صوبوں کا دورہ کرتے تھے تو صوبائی وزرار ان کی آؤ بھگت کرتے تھے۔ چہیتے ایم پی اے اور ایم این اے ساتھ ہوتے تھے۔ ٹیلیفون ہوتے، سفارشیں کی جاتیں اور راتوں کو جشنِ چراغاں بھی ہوتا جس میں کوہ قاف سے پریاں بھی آ کر رقص فرماتی۔۔۔ سرحد کے ایک "عظیم شہید لیڈر" کے دولت خانہ پر ملتان اور لاہور کی ناچنے اور گانے والیوں کا فنکشن ہوا۔ صرف وہی حضرات مدعو کئے گئے جو بھروسے کے قابل تھے اور جن کا ظرف بڑا تھا تاکہ اسمبلی کی لابی تک کوئی معرفت کی بات نہ پہنچے۔ سرحد کے وہ عظیم شہید لیڈر ۱۶۵ رکلومیٹر کی رفتار سے گاڑی پنڈی سے اسلام آباد لائے۔ اس گاڑی میں انٹرکان کی کچھ پریاں بھی تھیں، بہر حال محفل میں وجد طاری ہوا۔ استغراق و بے خودی کا عالم تھا۔ اس طوفان میں جبے، ٹوپیاں، عمامے، داڑھیاں اور کلین شیو سب بہہ گئے، کوئی کمی نہ رہی نہ اکل و شرب میں اور نہ۔۔۔ محکمہ تعلیم کی شوخیاں بھی کچھ کم نہ تھیں، ہزاروں ایسی استانیوں کی تنخواہیں قومی خزانے سے ملتی رہیں جو کبھی درس و تدریس سے وابستہ نہ تھیں۔ بہت سی تقرریوں میں تعلیم و قابلیت وہ اثر نہ دکھاتی جو رُخِ زیبا کے آب و رنگ و خال و خط دکھا دیتے۔ بعض میٹرک اور انڈر میٹرک پریاں اقتدار کی سب سے بڑی بارگاہ تک پروٹوکول کی تمام حدیں پھلانگ کر پہنچ جاتیں۔ ایک شیر ببر گورنر کی اقامت گاہ پر ان پریوں کے غول اکثر منڈلاتے۔ یہ پریاں وہ سرٹیفکیٹ تھے جن کے سامنے کسی قابلیت یا ہر دلعزیزی کا چراغ نہ جل سکتا تھا۔ جلد ہی نئی راہیں معلوم ہو گئیں۔ جہاں کسی یار کے ہاتھ کوئی پری وش لگی وہ فوراً سوچنے لگا کہ اس گوہرِ یکدانہ کو صحیح مقام تک پہنچائے۔۔۔ مجھے ایک ڈی آئی جی صاحب یاد آتے ہیں اور ساتھ ہی ایک بہت بڑے سیکورٹی آفیسر جو خضرِ راہ کے فرائض انجام دیتے تھے۔ انٹرکان میں ایک ایم این اے اپنی نادر و نایاب گرل فرینڈ کے ساتھ رونق افروز تھے۔ یہی بڑے سیکورٹی آفیسر بھی علیک سلیک کرنے آ دھمکے۔ جام ٹکرائے بے تکلفی ہوئی اور اس سرکاری افسر نے ایم این اے کے کان میں سرگوشی

کی، بھئی کوہ نور جیب میں لیے پھرتے ہو اور تاجِ شاہی سے دور ہو، کہو تو سلسلہ جنباتی کر دوں، اور پھر سلسلہ جنباتی ہوئی۔ ان ایم این اے صاحب نے ٹیکسٹائل مل دنوں میں لگائی۔ چاول بیچا، سیمنٹ بیچا اور ترقی کی جملہ منازل طے کر گئے۔ پنجاب کے ایک وزیرِ اعلیٰ نے اپنے دولت خانے پر دعوت دی، دعوت مخصوص تھی اور جانِ محفل جانِ ملک و قوم تھے۔ فریدہ بائی نے ٹک ٹک کر لہک لہک کر پنجاب کی غیرت کا مرثیہ پڑھا: ٹور پنجابن دی ---- بعض پنجابی ایم این اے جانِ محفل کے ہمنوا ہمساز، ہم تالی اور ہم رقص ہو گئے، میں نے حیرت سے جانِ محفل کو تالیاں لگاتے اور وجد میں سر مارتے دیکھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ختم شد

حفیظ پیرزادہ اور ثمینہ
ممتاز بھٹو اور حسنہ
کوثر نیازی اور صفیہ
خالد ملک اور بابرا ــــ اور
ناچتے گاتے پیتے پلاتے
جام صادق علی اور پیپلز پارٹی کے
دوسرے وزیروں کی شرمناک داستانیں

مکتبہ صحافت لاہور